

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا وَلَيَّ الْعَصْرِ (عَجَ) أَدْرِكُنَا

امام زمانہ علیتیام کے بارے میں دیگر معصومین علیہم السلام کا بیان

حضرت رسول خدا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

يَا أَبْنَيَةَ إِنَّا أَعْطَيْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ سَبْعًا لَمْ يُعْطَهَا أَحَدٌ قَبْلَنَا، نَبِيُّنَا خَيْرُ الْأُنْبِيَاءِ وَ هُوَ أَبُوكِ، وَ وَصِيلَنَا خَيْرُ الْأُوصِيَاءِ وَ هُوَ بَعْلُكِ، وَ شَهِيدُنَا خَيْرُ الشَّهَدَاءِ وَ هُوَ عَمُّ أَبِيِّكِ حَمْزَةُ، وَ مِنَّا مَنْ لَهُ جَنَاحَانِ خَضِيبَانِ يَطِيرُ بِهِمَا فِي الْجَنَّةِ وَ هُوَ ابْنُ عَمِّكِ جَعْفَرٌ، وَ مِنَّا سَبْطًا هَذِهِ الْأُمَّةُ وَ هُمَا ابْنَائِ الْحَسَنِ وَ الْحَسِينِ، وَ مِنَّا وَاللهُ أَلَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ مَهْدِيُّ هَذِهِ الْأُمَّةِ الَّذِي يُصَلِّي خَلْفَهُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ صَرَبْ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِ الْحَسِينِ عَفَقَالْ مِنْ هَذَا ثَلَاثًا

حضرت رسول خدا علیہ السلام نے جناب فاطمہ زہرا علیہما السلام سے فرمایا:

اے میری بیٹی! یقیناً ہم اہل بیت علیہم السلام کو ایسی سات چیزوں میں عطا کی گئی ہیں جو ہم سے پہلے کسی ایک کو عطا نہیں کی گئیں۔ ہمارے نبی خیر الانبیاء میں اور وہ تمہارے والدیں۔ ہمارے وصی خیر الاوصیاء میں اور وہ تمہارے شوہر ہیں۔ ہمارے شہید خیر الشہداء میں اور وہ تمہارے چچا حمزہ ہیں۔ لہ ہم میں سے وہ ہیں جنہیں دوسرا پر دستے گئے ہیں جن سے وہ جنت میں سیر کرتے ہیں اور وہ تمہارے چچا کے فرزند جعفر (طیار) ہیں۔ ہم میں سے اس امت کے دونوں سے ہیں اور وہ دونوں تمہارے فرزند حسن اور حسین علیہما السلام ہیں۔ قسم اس پروردگاری جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، ہم میں سے اس امت کے مهدی علیتیام ہیں جن کے پیچھے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نماز ادا کریں گے۔ پھر آپ علیہ السلام نے امام حسین علیتیام کے شانہ پر اپنا ہاتھ رکھا اور تین دفعہ فرمایا: (امام مهدی علیتیام) ان (کنسل) سے ہوں گے۔

(بخار الانوار، ج ۱۵، ص ۶۷، ح ۳۲ نقل از غائب طوی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۹۱)

۱۔ امام حسین علیتیام کی شہادت سے پہلے سید الشہداء کا لقب جناب حمزہ علیتیام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا لیکن واقعہ کربلا کے بعد یہ لقب امام حسین علیتیام سے مخصوص ہے۔

وَادْكُرْ وَا نِعْمَتَ اللَّهِ

اُم الكتاب میں آیہ کریمہ کا یہ بگراہر زاویہ سے ایک مکمل اور پرمغز پیغام الٰہی ہے۔ اس کے حروف میں دامی زندگی کا لہو دوڑ رہا ہے۔ اس کا اجمالی دعوت فکر اس دعوت پر بلیک کہتی ہے تو اس کے درپیچے کھلنے لگتے ہیں اور ایسے دلکش مناظر دُور دُور تک پھیلے ہوئے گویا اپنی تفصیل بیان کرنے پر اب کثا ہیں اور نوازے بلیک پر روح انسانی میں تازگی آ جاتی ہے جو مستقبل کو حبا ویدانی کی بشارات سے سرشار کر دیتی ہے۔ یہ مرجع بھی ہے اور محور بھی۔ اسی کے دائرہ میں خورشید و قمر کی روشنی بھی اور کہکشاں کی سمنٹی جگلگاہت بھی، یہی تازگی انسان کو انسان بناتی ہے اور یہی تازگی اسے اشرفت کا وہ حسن و جمال جو کھر تادھائی دیتا ہے۔ مصور یا غالق کی مدح و شنا کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے یہ توفیق کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اپنے وجود میں یعنی احساس کی بستی میں بسی ہوئی اس خوبی کو پیر دلمکم کر سکے۔ یہ توفیق ایک وجدان ہے جو علم و عمل کے سایہ میں پروان چڑھتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے اللہ کی نعمت کا ذکر کرو۔ عقل و خرد کی روشنی میں اس خوشی کو دیکھنے جو کوئی بشر کے وجود میں پھوٹ لکھتی ہے جب وہ نعمت کو مستیاب کرتا ہے، پاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ جیسی قدر و قیمت کی نعمت ہوتی ہے ویسا ہی خوشی کا پیمانہ ہوتا ہے۔ یہ خوشی نعمت کے میزان پر چاہیے جتنی چھوٹی ہو نعمت پانے والا نعمت دینے والے کو اس خوشی کے بد لے میں ایک لفظ اپنی زبان سے ضرور ادا کرتا ہے وہ لفظ ہے شکر یہ شکر، ہمشکور.....

شاکر منعم کا اس لفظ شکر سے اپنی احسان مندی یا اس کے احسان کا معلم ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں منعم کے احسان کو اپنے احساس میں آتارنے کا اظہار کرتا ہے۔ یہی مفہوم ہے نعمت پانے والے کا ذکر نعمت سے۔

دنیا میں نہ کوئی شخص نہ کوئی قوم باری تعالیٰ کی نعمتوں کی فہرست تیار کر سکتا ہے اور علی دنیا میں کبھی کوئی ایسی مشین تیار ہو سکتی ہے جو اس کی نعمتوں کا حساب رکھنے کا دعویٰ کرے۔ جب فرقان عظیم نے یہ دعویٰ کیا کہ تم ایک سورہ نہ ہی اس کے مقابل میں ایک آیت ہی لے آؤ، ایسا نہیں ہے کہ یہ اپنی علیٰ ارتقاء پر مغروہ انسان نے کوشش نہیں کی اور آخر میں جب عاجز ہو گئے تو قرآن کریم نے اپنے دعویٰ پر دلیل دے کر کہہ دیا ”تم تمام انس و جن مل کر چاہو تو قرآن کی ایک آیت کی مثال نہیں لا سکو گے“۔ اسی کتاب میں الاء الحمد کا ذکر ہے، نعمتوں کا اجسالی بیان ہے جس کی تفسیر تو ہو سکتی ہے لیکن تفصیل لا متناہی ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ”برگ درختان بزر نظر ہوشیار“۔ اس جانب قرآن کریم اشارہ کر رہا ہے ”بیچانوں اپنے نعمتوں سے نوازنے والے خدا کو جو کہتا ہے“ مأَتَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا“ کہ پہلا اپنی شاخ سے نہیں ٹوٹا مگر اس کا علم آسمَعُ السَّامِعِينَ کو ہے۔

یہاں ٹھہر کر عقل تقاضہ کرتی ہے کوئی نعمت یا اس کا سلسلہ ایسا ہے جو ایسے ذکر و طلب کر رہا ہے جس کی طرف ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

نعمت

انسان کی زندگی کے دو حصہ میں۔ ایک مختصر اور دوسرا طویل، کہ اس کی مدت کا تعین نہیں کیا جاسکتا ہے۔ وہ صرف ذکر حکیم میں موجود ہے۔ یہ دو حصہ ایک قبل از موت کا ہے اور دوسرا حصہ بعد از موت کا ہے۔

وَاسْتَعِينُو بِالصَّبَرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ
إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (بقرة: ٣٥)

اللہ اکبر!!! کیا فضیلت ہے اس نعمت کی جسے خالق نے یہ
رتبد دیا ہے کہ اسے اپنے بندوں کا مدد گار بنا یا ہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ
ان سے مدد طلب کرو۔ یہی وہ نعمت ہے جو انسانوں کے در پیچے
کھوں دیتی ہے جہاں سے شجر طوبی کی ٹھنڈی ہوائیں روح
پروری کرتی ہیں۔

محافظ

اس نعمت عالیہ کا محافظ، امین، ذمہ دار، بقاء کا صاحب معاون دین
کو دوڑ رکھنے والے اس کی طہارت، عظمت، اس کی جلالت اور
جمالیات پر آنچ نہ آنے دینے والا۔ اسے تغیر اور تبدل سے محفوظ
رکھنے والا وہی ہو سکتا ہے جسے خدا نے متعین کیا ہو۔ وہ وقت کا
مالک ہے۔ وہ مفاتیح الغیب ہے، اس کے شمنوں کو خوب پہچانا
ہے لہذا ایسا اہتمام کیا کہ موصویں علیہ السلام کا سلسلہ قائم رکھا تاکہ اس پر
سیاست کی کوئی گرد نہ آنے پائے اور اس تازگی اور تابندگی میں کمی نہ
آئے۔

خلاصہ

چنانچہ رسول اعظم نے بوقت رحلت علی علیہ السلام سے وصیت کی
”جب امت دنیا کی طرف پلٹ جائے تو اے علی علیہ السلام تم دین
(تہذیب، شریعت) کی حفاظت کرنا۔ علی علیہ السلام نے بوقت نماز
شهادت پائی تو آپ علیہ السلام نے کہا ”کعبہ کے رب کی قسم میں
کامیاب ہو گیا۔

امام حسین علیہ السلام نے وصیت فرمائی زین العابدین علیہ السلام کو
اور اس کی تصدیق کی جناب زینب بنت علیہ السلام سے ہن مجھے نماز شب

المحضر یہ کہ پہلا حصہ وہ ہے جو اختیار و جبرا کے ساتھ مہد سے
شروع ہو کر بعد پر تمام ہوتا ہے۔

مثال جبرا کی

ایک انسان ایک پاؤں پر کھڑا رہ سکتا ہے لیکن دونوں پاؤں
اٹھا لے تو گر جائے گا۔ ایک آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔ دونوں آنکھیں
اگر نہ ہو تو یہ دنیا تاریک ہے.....

اختیار

یہی وہ عنصر حیات ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ یہ بیدار
ہو، مختار ہو، فکر و ذہن کے اجائے میں ہو تو جب ملکف ہو جائے تو پہلے
اپنے اعضاء و جوارح کی نعمت پر سجدہ شکردا کر کے گا یہ میدانِ عمل
انسان کے کردار کی تربیت گاہ ہے۔ یہی کردار سازی اسی میدان
عمل میں سنور کر شخصیت کو ایک پہچان دیتی ہے۔ اگر یہ کردار
نیکیوں، خوبیوں اور خیر کے سانچے میں ڈھلا ہے تو وہ اس کی ظرفیت
اس قابل ہو جاتی ہے کہ وہ نعمت جو باری تعالیٰ نے اپنے
حبیب ﷺ کے ذریعہ عطا فرمائی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ
اس نعمت کے امین میں چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

إِنَّ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوهُ اللَّهُ وَ

أَطِيعُونَ (شعراء: ١٠٠):

وہ نعمت کتنی عالی قدر ہے اس کا احاطہ ذہن و فنکر کے بس میں
نہیں ہے لیکن وہ تہذیب شریعت ہے جس پر عیسیے جیسے کہا گیا ہے،
 بتایا گیا ہے، حکم دیا گیا ہے، ویسے ویسے اس پر عمل پیرا رہنا ہے۔ اس
تہذیب شریعت کی حلوہ گری عرش تملک جاتی ہے۔ اگر یہ تہذیب
شریعت کی روح کو جاتا ہے تو نماز اور روزہ کو قائم کرنا ہی نہیں بلکہ
اس کی استعانت درکار ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے۔

کارابطہ عرش سے فرش تک ہے۔ آپ علیہ السلام امین کے امین ہیں۔ وہ رسول ﷺ صاحبِ مراجع تھا وہ نعمتوں کا امین تھا جو حمت بن کر آیا اور سب کو کرم اور خشش سے نوازتا رہا۔ آخر الزمان میں اور وقت ظہور تک اس امین رسول ﷺ کی لائی ہوئی امانت کا امین ہے۔

شور و غوغما

ایک شور ہے ایک باطل پرستوں کا بحوم ہے چاروں طرف سے بڑھتا ہوا سیلاں جس سیلاں کی اوپنجی اور پنجی لہروں پہاڑوں کی مضبوط جڑوں کو بھی اکھاڑنے میں لگی ہیں اور دوسرا طرف اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا اعلان قرآن کر رہا ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے اس ارادہ کے سامنے۔ اس کا ارادہ اس کے لئے ہے جو اس زمین کا وارث اور امام علیہ السلام ہے اور بظاہر ان طائفتوں نے اسے کمزور کر دیا ہے۔

وَنُرِيدُ أَنْ تُمَكَّنَ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضْعَفُوا فِي
الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمْ
الْوَرِثَيْنَ (قص: ۵)

تاسف

افسوس اس بات کا ہے جس قوم و ملت کے پاس ایسا خزینہ دار نعمت ہائے الہی موجود ہے اس کی پادری اور نگہبانی سے کوئی ملت کا فرد محروم ہے اسی کے چشم مبارک میں شکایت کے آنسو ہیں۔ اسی کی زبان سے یہ جملہ ادا ہوا شیعوں کے درمیان ایک بھولی ہوئی نعمت ہیں۔

جب قوم پر عالم غفلت طاری ہے تو اتنا کرم ہے اگر بیداری میں ہو وہ میرا، ہمارا تمام شیعوں کا رہبر حقیقی کیسی کیسی نعمتوں سے ہر فرد کو نوازے گا اس کا مستحب ہونا کارے دارد۔

میں فراموش نہ کرنا۔

سید سجاد علیہ السلام وہ امام ہیں جن کے سجدہ کی صدائیں میں گوئی تو زین العابدین علیہ السلام کہہ کر ملانکہ بول آٹھے ہوں گے اسے عبودیت کا معیار کہتے ہیں۔

غرض یہ امامان مخصوص علیہم السلام کا سلسلہ گیا رہوں میں امام علیہ السلام تک ظاہر ہو کر چلتا رہا جنہوں نے اس نعمت یعنی صوم و صلوٰۃ کی نعمت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ قائم رکھی اور جب بارہوں امام علیہ السلام کی نوبت آئی تو اسے دشمنوں کی چالا کیوں، مکروہ فریب اور جاسوسوں کی نظر سے بچا کر پہلے غیبت صغری عطا کی اور جب مشیت الہی نے مناسب سمجھا اسے غیبت بکری عطا فرمائی۔

آپ علیہ السلام نے اس کی نعمت کی حفاظت اس طرح کی کہ پہلے نواب خاص سے رابطہ ذات اقدس اور عوام کے درمیان قائم کیا۔ تو قیعات کا سلسلہ جاری رہا۔ بعد ازاں خود کو عوام سے رابطے کے لئے روات کا انتخاب کیا۔

آپ علیہ السلام کی ذات وہ ہے جسے اس نعمت سے تعبیر کیا جائے جو روح شریعت یعنی نماز اور روزہ جیسی عالی قد نعمت کے پاس بان اور غلگھدار ہیں۔ جلیل القدر نعمت جسے ہم قائم علیہ السلام کہتے وقت سر پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں اس کی زبان مبارک سے مخلص اور اقوال میں ایک جملہ یہ بھی ملتا ہے کہ میں ”شیعوں“ کے درمیان نعمت منسیہ ہو گیا۔

شکایت

اس جملے میں کتنا درد ہے کتنا خون جگر لئے ہے کتنی تکلیف اور رنج سے لبریز ہے اسے آپ علیہ السلام کا پاہنے والا ہی محسوس کر سکتا ہے۔ تدبُر کا لازمہ ہے کہ ہم یہ غور کریں کہ آپ علیہ السلام کون اور کیسی نعمت ہیں۔ میرا مولا علیہ السلام، میرا آقا وہ نعمت ہے جو خدا کی تمام نعمتوں سے اولی ہے۔ آپ علیہ السلام خزینہ دار نعمت ہائے الہی ہیں۔ ہلمجہ آپ علیہ السلام

مُسْكِتٌ ہے۔ یہ دی سیدھی صراط ہے جس کو منعم نے اپنے بندگانِ خاص کے لئے ہموار رکھا ہے۔ یہ جملہ امام علیلیم کا دعوت فکر و نظر دے رہا ہے کہ اس راہ پر آجاؤ اور اس پر چلنے والے قافلے کے ہمراہ اور ہمنوا ہو جاؤ۔ جھٹکے تو انعامِ نیز نہ ہو گا۔ یہ جملہ کریم آقا علیلیم کی بندہ نوازی ہے جو عہدہ بہ عہدہ اپنے چاہنے والوں کو سمیٹ کر اس راہ پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی ہم سے غافل نہیں ہے۔

مُدَّعَا

اے ہمارے آقا علیلیم، اے ہمارے قائد، مجہبیان پر نظر رکھنے والے، ہم عاجز آپ علیلیم کی بارگاہ میں عرض داشتیں کہ ”مولانا ہم، ہم یہ آپ، آپ یہ۔ ہم ضعیف یہ مسکین یہ مسکین یہ۔ آپ علیلیم کا سفیر جریئل ہے، ملائکہ یہ۔ آپ علیلیم کی شان، اللہ جل جلالہ سے منصوص ہے۔ مولا علیلیم دور حاضر میں فتنہ ہی فتنہ پھیلا ہوا ہے۔ اگر آپ علیلیم کی نظر خاص ہم پر نہ ہوتی تو دنیا کے ہر گوشہ میں اس طرح پنپ نہ پاتے۔ راہ پر چلنے کے لئے جو آپ کی طرف لئے جباری ہے اباب فراہم کر دیجئے۔ ہمت اور حوصلہ عطا فرمائیے۔

ندائے ہافت غبی

اپنی شہرت کی ڈور توڑ دو۔ مرچ وقت سے منسلک رہو۔ وہ ہمارا مندوب ہے نائب ہے، عالم با عمل کی مجلس میں اپنی نشت بنالو۔ وَ
الذُّكُرُوُانِعْمَةُ اللَّهُ۔

یاد ہے

أَللَّاَمَ عَلَيْكَ يَا مَوْلَائِي سَلَامٌ فُخْلِصْ لَكَ فِي
الْوِلَايَةِ أَشْهُدُ أَنَّكَ الْإِمَامُ الْمَهْدِيُّ قَوْلًا وَ
فِعْلًا

(استغاثۃ بحضرت مہدی علیلیم، مفاتیح الجنان، ص ۲۱۶)

جانزوہ

تحوڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ تھوڑا سا جانے کا ہندر درکار ہے، تھوڑا سا علم و عمل میں باہم رابطہ چاہیے۔ علم اور عرفان سے اگر تھوڑا سا نور مل جائے تو امام کا چاہنے والا دیکھ سکے گا۔ کیا..... وہ امام علیلیم جس کے سامنے جناب زہر اللہ علیہما کادر روازہ جل رہا ہے، علی علیلیم کے گلے میں رسی کا پھنسا ہے، حسن علیلیم کے پاؤں کے پنجھے سے مصلیٰ کھینچ لیا گیا۔ کربلا ہولناک حادثہ ہے۔ زحمت کش سلاسل کی بویں پر صبر ہے، نماز ہے، حمد و شکایت الہی ہے۔ مختصر ایک سلسلہ ہے جس کے دل سوز مناظر کا ظین، خراسان اور سامرہ کے افق پر چھائے ہوئے ہیں اور انتقام لینے والا مجبور نہیں ہے، صرف حکم الہی کا پابند ہے ورنہ باطل کی آتوں کو اسی کے گلے میں ڈال سکتا ہے۔ شیر الہی کا فرزند ہے۔ صاحب ذوالفقار ہے اللہ کی قدر توں کا مظہر ہے۔ اب اس شکایت کے آئینہ میں امام کے چھعنہائے آبدیدہ میں چھلکتے آنکوں کو دیکھنے کو ان چاہنے والا ایسا ہو گا جو اس جملے کو سن کر کلیجہ پکڑ کر بیٹھنے جائے۔

هدف

امام علیلیم کی زبان سے ادا ہوا یہ جملہ کہ ”شیعوں کے درمیان میں ایک بھولی بسری نعمت ہوں“ یہ کوئی بے موقع اور بے محل بات تو نہیں ہو سکتی اور نہ یہ بات صرف ایک شکوہ یا لکھ ہے بل اس کے سوا کچھ بھی نہیں، یا سننے والوں نے سن لیا چند لمحوں کے لئے ایک تاثر پیدا ہوا اور پھر بے خبری رہی۔

ایسا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ امام علیلیم اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اس کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے براور است ہے۔ یہ جملہ ایک آگھی ہے ایک یاد دہانی ہے۔ سوتے کو بیدار کرنے کا تازیانہ ہے۔ اس کی روشنی میں وہ سڑک ہے جو بہت دوڑ سے آتی ہے اور بہت دور تک جاری ہے جس کی انتہائی منزل ظہور ہے۔ اس کے راگہ سر جو آگے بڑھ گئے میں ان قدم کے نشان ہیں جس کے قریب آفت ڈھانے والی کوئی شے نہیں آ

حضرت ولی عصر عالیہ السلام اور شب قدر

نازل ہوتے ہیں سب خدا کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

”مِنْ كُلِّ أَمْرٍ“ تمام امور کے ساتھ اسی بات کو سورہ مبارکہ دغان کی تیسری چوتھی آیت میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:
 إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَرَّكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ^۳
 فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٌ^۴

ہم نے قرآن کریم شب قدر میں نازل کیا ہم انجام کار سے باخبر کرتے ہیں اس رات تمام حکمت کی باتیں طے کی جاتی ہیں۔

شب قدر ہر سال آتی ہے

ہو سکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ بات آئے جس طرح قرآن کریم حضرت رسول خدا ﷺ کی حیات طیبہ میں نازل ہوا تھا اور نزول قرآن آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مکمل ہو گیا اور اب اس زمانہ میں نزول قرآن کا کوئی تصور نہیں ہے اس طرح کی فنکر میں ایک بڑا نقش پایا جاتا ہے۔ گویا وہ شب قدر کو نزول قرآن کی یاد گار سمجھ کر اپنی عبادت سے اس شب کو سجاتے ہیں۔ جب کہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ یہ نقش کوہ ہن و فکر میں اس لئے کوئی بجھ نہیں دینا پا ہے کیونکہ شب قدر کی دعیم ترین فضیلتیں ہیں۔ ایک نزول قرآن جس میں تمام رطب و یابس کی حقیقتیں موجود ہیں۔ اور روز آفرینش سے دنیا تغیرات کی آماجگاہ رہی ہے۔ زمانے کی پیش رفتی کا حساب، سال مہینوں اور ایام پر ہے۔ ان تغیرات کے اشارے وہ ہیں جو وہی سمجھ سکتا ہے جو راخون فی العلم ہوتا ہے بنابر این سال کی ایک مدت قرار دے کر اس درمیان میں جو تغیرات رونما ہونے والے ہوتے

اسلامی کلینڈر میں سب سے اہم رات اور بافضلیت شب ”شب قدر“ ہے پورے سال میں ۳۵ دن رات میں جس رات کو سب سے زیادہ عظمت و مرتبت حاصل ہے وہ یہی شب قدر ہے۔ قرآن کریم نے اس رات کو ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے۔ یعنی ایک رات کی عبادت ۸۳. ۸۳ سال کی دن رات عبادت سے بہتر ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص ایسے ۸۳. ۸۳ سال گذارے جس میں شب قدر نہ ہو اور ۸۳. ۸۳ سال دن رات عبادت کرے تب بھی وہ شب قدر کی عبادت کی برابری نہیں کر سکتا ہے۔ یہ رات دنیا کے تمام مسلمانوں کے نزدیک اہم ترین رات ہے اور یہ رات ماہ مبارک رمضان کی ایک رات ہے وہ چاہے شیعوں کے نزدیک ۲۱-۲۳ کی کوئی ایک رات ہو یا الہمنت کے نزدیک ۲۷ رمضان المبارک کی رات ہو۔ تاریخوں کا فرق ضرور ہے مگر یہ رات ہر ایک کے نزدیک بافضلیت ہے۔ اس رات مسجدوں اور دیگر مقام عبادت میں عبادت خداوندی کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے یہ رات لوگ عام طور سے عبادت میں بس رکرتے ہیں۔

رات اس بناء پر اہم ہے کہ اس رات سال بھر کی تمام باتیں طے کی جاتی ہیں عمر، رزق، اولاد، شادی، سر بلندی، عزت، ذلت، بارش، قحط، سیلا، جنگ بدامنی..... جو کچھ اس دنیا میں رونما ہونے والا ہے وہ سب اس ایک رات میں طے ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

تَنَوُّلُ الْمَلِكَةِ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ
 مِنْ كُلِّ أَمْرٍ^۵

اس رات ملائکہ اور سب سے عظیم ملک ”روح“ بھی

دوام اور تسلیل بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ نزول قرآن کریم وققی کام تھا اور یہ کام ایک خاص وقت میں مکمل ہو گیا بہ نزول کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے اس کو ماضی کے صیغہ "انزل" سے بیان فرمایا شب قدر اور اس میں ملائکہ و روح کا نزول اور امور کی تقسیم و تقدیر کا سلسلہ جاری رہنے والا تھا اس لئے اس کو مضارع کے صیغہ سے بیان فرمایا:

تَنْزُلُ الْمَلَائِكَةِ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ
حَكِيمٌ ③

"تنزل" اور "يفرق" دونوں مضارع کے صیغہ ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ شب قدر کا سلسلہ نہ صرف جباری ہے بلکہ اس امت پر خداوند عالم کا عظیم احسان ہے۔ حضرت رسول خدا ﷺ سے روایت ہے: خداوند عالم نے میری امت کو شب قدر مرحمت فرمائی ہے جب کہ دوسری امتوں کو یہ سعادت نہیں دی تھی۔ (تفیر نمود، ج ۲، ص ۱۹۰)

شب قدر ماه مبارک کی ایک رات ہے
شب قدر ماه مبارک رمضان کی ایک رات ہے یعنی شب قدر ماه رمضان میں ہے سال کے بقیہ گیارہ (۱۱) میں نہیں ہے۔ سورہ بقرہ آیت ۱۸۵ میں ارشاد خداوندی ہے:
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ
رمضان کا مہینہ وہ بارکت مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

سورہ قدر میں ارشاد ہوا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقُدْرِ ①

هم نے قرآن کریم قدر کی رات میں نازل کیا۔

میں ان سب کا ایک مکمل دستور اور حساب لے کر ملائکہ عرش سے فرش زمین پر آتے ہیں اور تمام امور بذریعہ و عظیم الشان فرشتہ جسے روح کہتے ہیں ایک مرکز پر آ کر اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ آگے چل کر ہم اس کی توضیح کریں گے۔

نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ شب قدر ہر سال ہے۔ پہلی وجہ ہے دنیا کے تمام مسلمان جو ہر جگہ شب قدر کا اہتمام کرتے ہیں خود قرآن کریم نے سورہ قدر میں اس حقیقت کو بیان بھی فرمایا ہے۔

نزول قرآن کریم کو ماضی کے صیغہ بیان فرمایا ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقُدْرِ ①

هم نے قرآن کریم شب قدر میں نازل کیا۔

سورہ مبارکہ دخان میں بھی ماضی کا صیغہ استعمال کیا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ

هم نے قرآن کو بابرکت رات میں نازل فرمایا۔

لیکن جب نزول ملائکہ اور امور کی تقسیم و تقدیر کا ذکر فرمایا تو

مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا:

تَنْزُلُ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۝

مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ③

اس قدر کی رات میں ملائکہ اور روح نازل ہوتے

رہتے ہیں۔

یہ تو سورہ قدر کی آیت تھی۔ سورہ مبارکہ دخان میں تمام امور کی تقسیم و تقدیر کا ذکر کیا تو وہاں بھی، مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٌ ③

اس بابرکت رات میں تمام حکمت کی باتیں ملے ہوتی

رہتی ہیں۔

صاحب اعلم جانتے ہیں عربی زبان میں مضارع کا صیغہ

فیصلہ عملی کیا جاتا ہے۔
الہمنت حضرات تائیمویں کی رات و شب قدر قرار دیتے
ہیں۔

ہم لوگ ان عظیم راتوں کی برکتوں سے غافل ہیں۔ لہذا یہ تین راتیں بھی پوری طرح عبادت میں بس نہیں کرتے ہیں۔ اگر ہم ذرا یہ خیال کریں یہ راتیں ہماری مغفرت کا بہترین ذریعہ ہیں خاص کر امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت کا غم تو اور بھی خدا سے قربت کا سبب ہو جاتا ہے۔ ان راتوں کو زندگی میں غنیمت جانیں اور کوشش کریں آہل محمد علیہ السلام کے واسطہ سے خدا کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہوں کہ ان راتوں میں اپنی مغفرت اور جنت میں جانے کا پروانہ حاصل کر لیں۔ ورنہ روایتوں میں ملتا ہے جو ماہ مبارک رمضان میں نہ بخشنگیا وہ سال بھر نہیں بخشا جائے گا مگر یہ کہ اس کو حج کی سعادت نصیب ہو اور میدانِ عرفات میں مغفرت طلب کرے۔

ملائکہ کس پر نازل ہوتے ہیں؟ امرِ الٰہی کون دریافت کرتا ہے؟

قرآنی آیتوں کی روشنی میں جب شب قدر میں ملائکہ اور روح نازل ہوتے ہیں اور سال بھر کے تمام امور طے کئے جاتے ہیں تو سوال یہ ہے یہ ملائکہ کس پر نازل ہوتے ہیں اور سال بھر کے یہ تمام امور۔ دوسروں لفظوں میں انسانوں کے لئے خدا کی سالانہ پلانگ کس کے حوالے کی جاتی ہے؟ وہ کون ہے جو مرکوز نزول ملائکہ اور مرکوز دریافت امرِ خداوندی ہے؟

دنیا کے تمام عقلاء کا یہ طریقہ ہے اور ہر جگہ یہ طریقہ راجح ہے یہی عقل کا طریقہ ہے۔ پیغام ارسال کرنے سے پہلے پیغام دریافت کرنے والا معین ہونا چاہئے۔ عقل سلیم اس کو قبول کرتی ہے۔ پیغام پر پیغام آرہے ہوں اور ان کو دریافت کرنے والا کوئی نہ ہو۔

سورہ دعائی میں ارشاد ہوا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَرَّكَةٍ

ہم نے قرآن کریم پا برکت رات میں نازل کیا۔

لہذا یہ طے ہے شب قدر ماہ مبارک رمضان کی ایک رات ہے۔

کون سی رات؟

خداؤند عالم نے ماہ مبارک رمضان میں عبادت کا بے پناہ ثواب رکھا ہے۔ یہاں تک کہ روزہ دار کی سانس کو تسبیح اور سو نے کو عبادت کا درجہ دیا ہے۔ دوسری طرف ہم سب کو میدانِ قیامت میں مغفرتِ گناہ میدانِ قیامت کی سختیوں سے نجات، پہلی صراط سے گذرنے اور جنت میں جانے کے لئے بہت ہی زیادہ ثواب کی ضرورت ہو گی، لہذا خداوند عالم کی رحمت و رافت کا تقاضا ہواشب قدر چند راتوں میں پوشیدہ رنجی جائے تاکہ اسی بہانے انسان کچھ عمل تو کر لے اور اپنے ثواب کے حساب میں اضافہ کر لے۔

لہذا بھی اس طرح بیان کیا گیا شب قدر ماہ مبارک رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتیں ہیں اور بھی اس طرح بیان فرمایا گیا۔ آئیں ۱۹/۲۱ کیس ۲۳ تیسیں کی راتیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان تین راتوں کو اس طرح بیان فرمایا:

الثَّقِيلُرُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ تِسْعَةَ عَشَرَ وَ
الْإِبْرَامُ فِي لَيْلَةِ أَحَدَى وَ عِشْرِينَ وَ
الْإِمْضَاءُ فِي لَيْلَةِ ثَلَاثَةِ وَ عِشْرِينَ.

(کافی، ج ۲، ص ۱۵۹، ح ۹)

ائیموں میں رات میں طے کیا جاتا ہے کیا ہونا ہے۔

ایکیسویں کی رات میں اس پر فیصلہ کیا جاتا ہے اور

تییماویں کی رات میں آخری فیصلہ کیا جاتا ہے، اور حتیٰ

وَتَصْدُرُ مِنْ بُيُوتِكُمْ

(مفاتح الجہان، زیارات مطلاعہ امام حسین علیہ السلام، زیارت اول)

امور کی تقدیر و تقسیم کے تعلق سے خداوند عالم کا ارادہ آپ علیہ السلام کی خدمت میں نازل ہوتا ہے اور آپ علیہ السلام کے بیت الشرف سے صادر ہوتا ہے۔

یعنی اہل بیت علیہ السلام میں جن کی خدمت اقدس میں تمام امور خداوندی نازل ہوتے ہیں۔ شب قدر کا ہر سال آنا اور باقی رہنا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ اس دنیا میں کوئی ”صاحب قدر“ ضرور ہے وہی تجھت خدا اور ولی امر ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اے شیعوں قم سورۃ انا از لناہ کے ذریعہ جلت و دلیل قائم کرو۔ یقیناً کامیاب ہو گے۔ خدا کی قسم یہ سورہ حضرت رسول خدا علیہ السلام کے بعد لوگوں پر خدا کی جلت و دلیل ہے جو تمہارے دین کا سید و سردار ہے۔
اے گروہ شیعہ تم لوگ سورۃ حم دخان سے استدلال کرو خدا فرماتا ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَرَّكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٌ ۝

ہم نے قرآن بابرکت رات میں نازل کیا اور ہم ہی انعام کا سے باخبر کرنے والے ہیں اس بابرکت رات میں تمام امر حکیم معین کئے جاتے ہیں یہ حضرت رسول خدا علیہ السلام کے بعد ان کے اولیاء سے مخصوص ہے۔

اے لوگ خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَمْ يَرْأُ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝

(سورہ فاطر، آیت ۲۲)

کوئی ایسی آمت نہیں جس میں اس نے کوئی نذر نہ

پیغام لانے والا چورا ہے پر کھڑا تلاش کر رہا ہو یہ پیغام کس کے حوالے کرے؟

خداوند عالم کی سنت کیا ہے؟ پیش خداوندی کیا ہے؟ کیا اس نے آسمان سے فرشتہ بغیر پتہ بتائے نازل کر دیئے اور فرشتہ زمین پر آنے کے بعد حیران و سرگردان ہوں کس کے پاس جائیں؟ اور وہ بھی اس صورت میں جب شب قدر میں عظیم ترین فرشتہ روح نازل ہو رہا ہو۔ روایتوں کے مطابق جو عرش خداوندی سے سال میں صرف ایک مرتبہ نازل ہوتا ہے اور وہ سال بھر کے تمام اہم امور لے کر؟

سدت خداوندی یہ ہے کہ اس نے جب بھی کسی فرشتہ کو وہ، پیغام، کتاب، صحیفہ..... لے کر زمین پر بھیجا تو یہ بھی بتا دیا کہ فرشتہ کس کی خدمت میں حاضر ہوا اور کس کو یہ امانت خداوندی پر دکرے چھانچپ صحیفوں کے لئے جناب ابراہیم علیہ السلام کو معین فرمایا تو ریت کے لئے جناب موسیٰ علیہ السلام، انجیل کے لئے جناب عیسیٰ علیہ السلام، قرآن کریم کے لئے حضرت رسول خدا علیہ السلام کو معین فرمایا۔ جناب جبریل اور دیگر تمام فرشتوں کو معلوم تھا وہ کس کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔

عقل کا حتمی فیصلہ ہے جب شب قدر میں امر نازل ہو رہے ہیں تو ”صاحب امر“، ”ولی امر“ کا وجود ضروری ہے۔ جو تمام امور خداوندی کو دریافت کر سکے۔ جب فرشتہ اور روح کا نزول ہو رہا ہے تو ایک تجھت خدا کا وجود ضروری ہے جس کی خدمت اقدس میں یوگ حاضر ہو سکیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں یہ جملے اسی حقیقت کو بیان کر رہے ہیں:

إِرَادَةُ الرَّبِّ فِي مَقَادِيرِ أُمُورِهِ تَهْبِطُ إِلَيْكُمْ

عرض کیا: صاحب دین اور صاحب امر کے لئے ضروری ہے
کہ وہ پوشیدہ رکھے؟

فرمایا: حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے حضرت رسول خدا
علیہ السلام کے ہمراہ اس وقت تک اعلان نہیں کیا جب تک خدا کا حکم
نہیں ہوا۔

عرض کیا: جی ہاں ایسا تو ہے۔

فرمایا: ہماری بات بھی اسی طرح ہے۔

حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَبَ آجَلَهُ

(سورہ بقرہ، آیت ۲۳۵)

یہاں تک کہ کتاب اپنی معینہ مدت تک پہلوخ
جائے۔

(تاویل الایات، ج ۲، ج ۸۲۴-۸۲۵، نقل از کافی، ج ۱، ج ۲۳۹، ح ۶؛
بخار الانوار، ج ۲، ج ۸۲۵، ج ۸، ج ۶۸)

لہذا تزویں امر کے لئے ولی امر کا وجود لازم و ضروری ہے۔
لس ان لوگوں کی شب قدر شب قدر ہے جو ولی امر حضرت حجۃ بن
احسن لعسکری علیہ السلام کے وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ ہر مجھے ان کے ظہور
پر نور کا انتشار کر رہے ہیں اور خدا کی بارگاہ میں گڑ کڑا کران کے جلد از
جلد ہو رہی دعائیں ما نگ رہے ہیں خاص کر شب قدر میں یہ دعا
ضرور مانگتے ہیں ایک شب ذرا امام کے ساتھ گذارنے کی سعادت
نصیب ہو۔

شب قدر میں خداوند عالم جو امور معین فرمانے والا ہے ان
امور میں اس سال سب سے پہلے ہمارے امام، ہمارے آقا،
ہمارے سردار، ہمارے ولی نعمت۔ واسطے فیض خداوندی مرکز پر کار
وجود سبب قیام زمین و آسمان، حضرت حجۃ بن احسن لعسکری علیہ السلام کا
ظہور پر نور معین و مقدر فرمائے اور ہم سب کو ان کے غلاموں و
خدمت گذاروں میں شمار فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

بھیجا۔

(نذر یعنی حجت خدا)

لوگوں نے عرض کیا: اے فرزند رسول! کیا رسول ﷺ نے حضرت رسول خدا
اس امت کے نذر نہیں ہیں؟

فرمایا: درست کہا لیکن کیا وہ اس وقت موجود ہیں؟

عرض کیا: نہیں

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا حضرت رسول خدا علیہ السلام کی طرح
اس امت کے لئے نیز ضرورت نہیں ہے؟

عرض کیا: جی ہاں ضروری ہے۔

فرمایا: حضرت رسول خدا علیہ السلام اس دنیا سے جانے سے پہلے
اس امت کے لئے نذر معین کر کے گئے تھے۔

عرض کیا: کیا اس سلسلے میں قرآن کریم کافی نہیں ہے؟

فرمایا: ہاں جب قرآن کا مفراودہ معلوم موجود ہو۔

عرض کیا: کیا حضرت رسول خدا علیہ السلام نے پوری تفصیر بیان
نہیں فرمائی؟

فرمایا: ضرور لیکن صرف ایک شخص سے اور امت سے اس
شخص کا تعارف بھی کرایا اور وہ علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

عرض کیا: کیا یہ ایک خاص بات ہے جس کو عام لوگ دریافت
نہیں کر سکتے۔

فرمایا: ہاں خداوند عالم نے یہ طے کیا ہے جب تک اس
کے دین کے غلبہ اور علی اٹھار کا وقت نہیں آتا اس وقت تک
غاموشی سے اس کی عبادت کی جائے۔

جس طرح حضرت رسول خدا علیہ السلام اور جناب خدیجہ
علیہما السلام نے اس وقت تک بات ظاہر نہیں کی جب تک انہیں اٹھار
کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

شرح دعاء العهد

یہاں چنانہ اصطلاحات کا ذکر کرتے ہیں۔

وجہ کے لغوی معنی ہیں پھر وہ شیء کہ جسکے ذریعہ کسی چیز کی طرف ہم متوجہ ہوتے ہیں وہ اور جاہ سے مراد قدر اور منسلک بھی ہے۔ قرآن کریم میں بھی لفظ وہ متعدد مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً وجہ اللہ، وجہ ربہ اور وجہ رحمہم دیکھا جاسکتا ہے۔

وجہ خدا کیا ہے؟ پہلی بات تو یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اللہ اور ہے اور اس کا وجہ اور۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ أَعْظَمُ مَنْ أَنْ يُوصَفُ
بِالْوُجُوهِ

(التوحید، الشیخ الصدوق (رض) عليهما السلام، ص ۱۳۹)

پیش کیا جائے۔ جو صاحب عترت و جلال ہے۔ اس سے زیادہ برتر ہے کہ اسکی توصیف پھرے سے کی جائے۔ یعنی مذہب حقہ اہل بیت علیہم السلام میں تنزیہ پروردگار عقیدہ توحید کا نہایت ہی اہم رکن ہے۔ یعنی خدا کو ہر طرح کی تشبیہ اور تمثیل سے پاک اور منزہ قرار دینا۔ ہر وہ چیز جو مخلوق میں پائی جاتی ہے خدا اس سے پاک اور منزہ ہے۔ پھر وہ جس سے مراد کیا ہے؟ آئیے روایات آل محمد علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں دیکھیں کہ وہ کے کیا معنی ہیں؟

وجہ سے مراد دین ہے

مندرجہ بالامثلہ فوائدیت میں امام باقر (علیہم السلام) نے پہلے وجہ کے جسمانی معنا سے خداوندے متعال کی تنزیہ کی۔ پھر اس طرح وضاحت فرمائی:

وَ لَكُنْ مَعْنَاهُ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا دِينَهُ وَ
الْوَجْهُ الَّذِي يُؤْتَ مِنْهُ

(شعبان معظم ح۲۳۱ھ سے آگے.....)

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ يَوْجِهَكَ الْكَرِيمَ وَ بِنُورِ
وَجْهِكَ الْمُبَيِّنِ وَ مُلْكِكَ الْقَدِيرِ يَا حَسْنِي يَا
قَيْوَمُ أَسْأَلُكَ بِإِسْمِكَ الَّذِي أَشَرَّقْتُ بِهِ
السَّمَاوَاتُ وَ الْأَرْضُونَ وَ بِإِسْمِكَ الَّذِي
يَضْلُّ بِهِ الْأَوْلَوْنَ وَ الْآخِرُونَ يَا حَسْنِي قَبْلَ كُلِّ
حَسْنٍ يَا حَسْنِي أَحَسْنِي أَبَعْدَ كُلِّ حَسْنٍ حِينَ لَا حَسْنٍ يَا حَسْنِي
الْمَوْتَى وَ مُمِيتُ الْأَحْيَاءِ يَا حَسْنِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
پروردگار! میں تجوہ سے طلب کرتا ہوں تیرے کریم و جہ
کے صدقے میں اور تابندہ و جہ کے صدقے میں اور
تیرے قادر ملکیت کے صدقے میں اے ذات
زندہ اے قیوم (یعنی جو مخلوقات کو اپنے قبضہ قدرت
میں رکھے ہوئے ہے اور انہیں زیروز برکرہا ہے)
میں تجوہ سے طلب کرتا ہوں تیرے اس نام کے
صدقے میں جسکی بنابر آسمان اور زمین روشن ہوتے
ہیں اور تیرے اس نام کی بنابر حسن سے اولين اور
آخرین کی اصلاح ہوتی ہے۔ اے ہر زندہ سے پہلے
زندہ اور ہر زندہ کے بعد زندہ جو اس وقت زندہ تھا جب
کوئی اور زندہ نہ تھا۔ اے مردوں کو زندہ کرنے والے
اور اے زندوں کو موت دینے والے اے اے زندہ
تیرے علاوہ اور کوئی معمود نہیں۔

دعاء العهد کے اس فقرے میں ہم اللہ سبحانہ کو اسکے وجہ و جہ کے نور، خدا کے ملک اور اسکے خاص اسم اور نام کا واسطہ دیتے ہیں۔

وجہ سے مراد اہل بیت علیہم السلام ہیں
امام باقی علیہم فرماتے ہیں:

نَحْنُ وَجْهُ اللَّهِ نَتَقَلَّبُ فِي الْأَرْضِ بَيْنَ
آظَاهِرٍ كُمَّ عَرَفَنَا مِنْ عَرَفَنَا وَمَنْ جَهَلَنَا
فَأَمَامُهُ الْيَقِينُ.

ہم اللہ کے وجہ میں جو تمہارے درمیان روئے زمین پر
آتے جاتے رہتے ہیں۔ جس نے ہمیں پہچانا اس نے
ہمیں پہچانا (اسکا ثواب اپنی جگہ پر ہے) اور جس نے
ہم سے غفلت بر تی تو یقین (موت) اسکے سامنے ہے۔

(التوحید، اثیخ الصدوق رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۳۹، ح ۶)

اب ان تینوں معنی کو اگر کیجا کریں تو مفہوم یہ ہے اہل بیت
علیہم السلام ہی وجد اللہ یہیں، دین خدا بھی وہی یہیں اور وہی حق کاراستہ
یہیں۔ خیتمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہم السلام سے اس آیہ کریمہ
کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

کے بارے میں سوال کیا۔ آپ علیہم السلام نے جواب میں فرمایا:
دِيْنَهُ وَ تَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَ أَمِيرُ
الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ دِيْنَ اللَّهِ وَ وَجْهَهُ
وجہ سے مراد اللہ کا دین ہے اور رسول اللہ ﷺ اور امیر
المؤمنین علیہم السلام کے دین یہیں اور اسکے وجہ میں۔

(التوحید، اثیخ الصدوق رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۳۹، ح ۷)

داعیہ کے اس فقرے میں جس وجہ کریم کا واسطہ دیا جا رہا
ہے اس سے مراد ذوات مقتدر سے محمد اور آل محمد (علیہم السلام) یہیں اور یہی
وجہ نورانی پروردگار یہیں کہ جن کے ویلے سے اگر کوئی دعماً نگے اسکی
دعا مبتجاب ہو گی۔

دوسر الفاظ ملک ک القدير ہے (کچھ نہیں میں القديم
ہے)۔ یعنی تیری تو انما ملکیت۔ اللہ اپنے ملک پر مکمل قدرت کا

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شیء بلا ک ہو جائے گی
سوائے اسکے دین کے اور وجہ سے کہتے ہیں کہ جس
کے ذریعہ اس تک پہنچا جاتا ہے۔

(التوحید، اثیخ الصدوق رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۳۹، ح ۱)

وجہ سے مراد حق کاراستہ ہے

حارث بن مغیرہ النصری جو امام صادق علیہم السلام کے نہایت
معتبر صحابی اور محدث تھے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام صادق
علیہم السلام سے اس آیہ کریمہ کے متعلق سوال کیا

کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

تو آپ نے جواب میں فرمایا:

کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا مَنْ أَخْذَ طَرِيقَ الْحَقِّ
ہر چیز بلا ک اور معدوم ہو جائی گی سوائے اسکے جس نے
حق کے راستے کو اپنایا۔

(التوحید، اثیخ الصدوق رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۳۹، ح ۲)

اور حق کاراستہ کیا ہے؟ حضرت محمد ﷺ کی اطاعت اور
فرمانبرداری ہی وجہ پروردگار ہے۔ مندرجہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر
امام صادق علیہم السلام نے اس طرح فرمائی:

مَنْ آتَى اللَّهَ إِيمَانًا أَمْرَرَ بِهِ مِنْ طَاعَةِ مُحَمَّدٍ

فَهُوَ الْوَجْهُ الَّذِي لَا يَهْلِكُ وَ كَذَلِكَ

قَالَ مَنْ يُطِيعُ الرَّسُولَ فَقَدْ أطَاعَ اللَّهَ

جس نے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کی گویا وہی وجہ

ہے جو بلا ک نہیں ہو گا اور اسی لئے اللہ سبحانہ نے ارشاد

فرمایا: جس نے رسول کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ

کی اطاعت کی۔

(التوحید، اثیخ الصدوق رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۳۹، ح ۳)

لاموت فيه

(التوحيد، ص ١٣٨-١٣٩)

وہ زندہ کہ جنکی ذات میں موت کا گزرنہیں ہے۔ اسکی ذات میں موت کا تصور نہیں ہے۔ جیسے مخلوقات کے یہاں زندگی کے ساتھ موت کا بھی تصور پایا جاتا ہے۔ بلکہ ذات حق مخلوقات کی زندگی اور موت کا خالق ہے۔

یاقیوم کا مطلب کہ وہ پوری کائنات کو زیر وزبر کر رہا ہے۔ ہم سب اسکے قبضہ مقدرت میں ہیں۔ تمام مخلوقات (بغیر استثنی) کا ولی، سر پرست، محافظ، مصلح اور مقرر (dal پر زیر) اسکی ذات ہے۔ کوئی اسکی حکومت اور سلطنت سے فرار اختیار نہیں کر سکتا ہے۔ سب کے سب اسکے مقابل میں خاضع اور غاشع ہیں۔

اسکے بعد ہم اللہ تعالیٰ کو اس نام کا واسطہ دیتے ہیں جس کے توسط سے تمام آسمان اور زمین روشن ہیں۔ اسے یعنی نام اور علامت کیوں کہ اسے و-س-م سے بنایا ہے جو کا مطلب ہے علامت۔ لہذا جب ہم کہتے ہیں بسم اللہ تو اسکا ترجیح یہ ہے کہ میں اپنے نفس پر علامت گزاری کر رہا ہوں کی میں اللہ کی مخلوق ہوں اور وہ میرا خالق ہے۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

بِسْمِ اللَّهِ أَكَّلِ إِسْمُ نَفْسِي بِسِمَةٍ مِّنْ سَمَاتِ
اللَّوَاعِزَ وَجَلَّ وَهُوَ الْعَبُودِيَّةُ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ
مَا السِّمَةُ قَالَ الْعَلَامَةُ

بسیم اللہ یعنی میں اللہ کی علامتوں میں سے ایک علامت اپنے اوپر لگاتا ہوں اور وہ علامت عبودیت ہے۔

راوی کہتا ہے میں نے سوال کیا کی سمد سے مراد کیا ہے امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

علامت۔ (معانی الاخبار، ص ۳، ح ۱)

یہاں چند باتیں عرض کرنا ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اسماء و صفات

حامل ہے یعنی وہ جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُوْتِي الْمُلْكَ مَنْ
تَشَاءُ وَ تُنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَ تُعَزِّزُ مَنْ
تَشَاءُ وَ تُنْذِلُ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرِ إِنَّكَ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اے عجیب آپ کہ دنیجہ کہ بارے الہا تو ہی ملک کا مالک ہے۔ جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت بخشنا ہے اور جسے چاہتا ہے روا کرتا ہے۔ اختیار تیرے ہاتھوں میں ہیں۔ یقیناً تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(سورہ آل عمران، آیہ ۲۶)

اللہ نے انسان کو قدرت، اختیار اور تمام انوار قدسیہ کا مالک بنایا لیکن وہ ان پر امکیت رکھتا ہے۔ وہ زیادہ مالک ہے۔ جب چاہے سلب کر لے۔ کوئی انسان یہ گمان نہ کرے یہ تمام چیزیں اسکی اپنی ہیں بلکہ سب کہ سب عاریتی ہیں۔ اسکی عطا ہیں۔ ہم اسکے مقابلے میں فقیر مخصوص ہیں۔ بندگی کا تقاضا بھی یہی ہے۔

يَا حَسْنِي يَا قَيْوُمُ أَسَأْلُكَ بِإِسْمِكَ الَّذِي
آشَرَ قَصْتُ بِهِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُونَ

ذات حق وہ ذات جو زندہ ہے لیکن یہ بات آپ کے اذہان عالیہ میں محفوظ رہے کہ اسکی حیات کا مفہوم ہماری زندگی کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہماری زندگی کا خالق اور مالک ہے۔ ہمیں اختیار نہیں ہے کہ ہم اسکی حیات کے متعلق کوئی وہی، خیالی یا عقلی صورت قائم کریں۔ اسکے اسماء کے لئے ہمیں ویسے ہی تنزیہ کرنا چاہئے جیسے اسکی ذات کے بارے میں ہم تنزیہ اور تسبیح کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جب ہم خدا کی حیات کا ذکر کریں تو صرف اتنا کہیں کہ

اور انہی اسماء اعظم کے توسط سے اوپر اور آخرین کی
اصلاح ہوتی ہے۔

یعنی انکے لئے دنیاوی اور اخروی کامیابی اور سعادت کے
وسائل فراہم کئے جاتے ہیں۔

يَا حَمْسُ قَبْلَ كُلِّ حَمْسٍ يَا حَمْسٌ [حَيْثَا] بَعْدَ كُلِّ حَمْسٍ
حِينَ لَا حَمْسٌ يَا هُمَّ الْمُوْتَ وَهُمْيَتُ الْأَحْيَاءِ يَا
حَمْسٌ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ

اے وہ ذات زندہ جو ہر زندہ سے پہلے ہے اے وہ
ذات زندہ جو ہر زندہ کے بعد ہے۔ اے وہ زندہ جب
کوئی اور زندہ شیء عنہ تھی۔ اے مردوں کو زندگی دینے
والے اور زندوں کو موت دینے والے اے وہ زندہ کہ
تیرے علاوہ اور کوئی معبد نہیں ہے۔

لفظ زندگی اور حیات پر اپر بحث ہو چکی ہے۔ حیی باب
افعال کا اسم فاعل ہے یعنی زندگی دینے والا۔ اور موتی
میت کی جمع ہے جو کا مطلب ہے مردہ۔ اسی طرح حمیت یعنی
موت دینے والا۔ یہ اسم فاعل ہے اور احیاء حی کی جمع ہے۔
زندگی اور موت کا دینے والا اللہ ہے۔ وہ جسے چاہے جب
چاہے موت دے اور جسے چاہے جب تک چاہے زندہ رکھے۔ اگر
وہ چاہے تو اپنی جحت کو آگ کے شعلوں میں زندہ رکھے، اگر وہ
چاہے تو اپنی جحت کو چوڑھے آسمان پر بلا کر زندہ رکھے، اگر وہ چاہے
اپنی جحت کو کنویں کی گھرائی میں زندہ رکھے، اگر وہ چاہے اپنی جحت
کو محفلی کے پیٹ میں بھی زندہ رکھے، اگر وہ چاہے اپنی جحت کو
لوگوں کی نظروں سے او جمل غیبت میں زندہ رکھے۔ یقیناً زندگی کا اعطا
کرنے والا خداوند لازوال ہے۔

افوس کہ نام نہاد مسلمان نہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے آگ
باقی صفحہ نمبر ۲۵ پر

پروردگار ذاتی نہیں بلکہ فعلی ہیں۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ
اسم سماں کے علاوہ ہے۔ تمام اسماء غیر اللہ ہیں۔

(الکافی، ج ۱، ص ۸۷، ح ۲)

دوسرے یہ کہ اللہ کے اسماء دو طرح کے ہیں ایک لفظی اور
دوسرے کوئی لفظی یعنی وہ اسماء جو حروف سے مرکب ہو کر الفاظ
بنے ہیں جیسے اللہ جم، رحیم، وغیرہ۔ اور کوئی سے مراد اللہ کی تمام مخلوق
ہیں جو اسکی طرف دلالت کرتی ہیں۔ اور تمام اسماء میں محمد ﷺ اور
آل محمد علیہ السلام اللہ کے اسم اعظم اعظم اعظم ہیں کہ جنکے نور سے یہ بزم
امکان روشن ہوا ہے۔ دعاوں میں اس طرح کے جملے ملتے ہیں:
وأشرقـتـالـأـرـضـبـنـورـكـمـ

(المبدالا مین، ج ۳۰۲)

زمین روشن ہوئی آپ کے نور سے۔

اللہ کے کتنے اسماء لفظی ہیں؟ روایات کی روشنی میں اللہ کے
چار ہزار اسماء لفظی ہیں۔

جب اللہ ہمارے وہم اور خیال میں آنہیں سکتا ہے تو اسکی نام
گزاری کافاً نہ ہے کیا؟ جواب یہ ہے کہ یہ اسماء خود اس نے اپنے لئے
 منتخب کئے ہیں۔ ان اسماء ہی کے ذریعہ ہمیں اسے پکارنا چاہئے۔
ہمیں حق نہیں ہے کہ ہم خود اپنی طرف سے اسکے لئے نام وضع کریں۔
اس نے اس بات کی اجازت ہمیں نہیں دی۔ اسکے تمام اسماء اور
صفات موقوفی ہیں۔ موقوفی یعنی ہمیں اختیار نہیں ہے کہ ہم اسکے بتائے
ہوئے ناموں کے علاوہ اسکے لئے کوئی اور نام استعمال کریں۔

اللہ ہر ایک کام کو ایک خاص نام کی روشنی میں انجام دیتا
ہے۔ قصیلات کے لئے رجوع کریں دعامتات جسے عصر جمع
بڑھنے کی تاکیدی بھی ہے۔

وَ بِإِسْمِكَ الَّذِي يَصْلُحُ بِهِ الْأَوَّلُونَ وَ
الْآخِرُونَ

سَلِّمُوا تَسْلِيْمًا

ڈھال لیتی تو شاید اس میں نہ کبھی زلزلے آتے، نہ کبھی سُننامی کا سیلا بامندہ تا، نہ کوہ آتش قشان سے سیل روایں بستیوں کو لقمہ اجل بنا لیتا۔

(۱) افظع تسلیم کو سلامہ یا سلامہ سے مشتق کیا گیا ہے۔ جس کے معنی میں فرمانبردار ہونا یا پرد کر دینا۔

(المنجد، ص ۷۸)

لفظ سلام قرآن میں چار جگہ معنی اطاعت و تسلیم استعمال ہوا ہے۔ سورہ نساء آیت ۹۰ اور ۹۱ میں اور سورہ نحل آیت ۲۸ اور ۲۷ میں۔

قارئین کے لئے ایک آیت کو نقل کر رہا ہوں۔

وَالْقَوْلُ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ تَمَغِّنِ الْمُسَلَّمَ
اس دن وہ لوگ اللہ کے سامنے سر تسلیم ختم ہونگے۔

(سورہ نحل، آیت ۷۸)

تسلیم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

- ۱۔ تسلیم ظاہری
- ۲۔ تسلیم قدری

تسلیم ظاہری یعنی ظاہری طور پر انسان مدد مقابل کے سامنے سر تسلیم ختم ہوتا ہے قدری تسلیم سے فاقد ہوتا ہے۔ بلکہ اگر اسے موقع مل جائے تو مدد مقابل کے خلاف دوبارہ آتا ہے۔ یہی چیز قرآن میں اس طرح ملتی ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمَنَّا ۖ قُلْ لَّمَّا تُؤْمِنُوا
ولَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا ۚ وَلَمَّا يَدْخُلُ الْإِيمَانُ
فِي قُلُوبِكُمْ

قرآن کی آیات کا اسلوب کچھ ایسا اعجاز تاثش گر رہتا ہے کہ اس کی تعریف پر قلم اٹھائیں تو ذہن معنی و مطلب کے اوج کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے۔ انسان پھر بھی انسان ہے۔ اللہ نے جتنی عقل دی ہے اسے پوری طرح سے درک بھی کر لے تو بڑی بات ہے۔ کبھی کبھی اس کے بیان میں لفظیں ملتی ہی نہیں ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ دل کی دھڑکنوں کی ضرب سے کوئی نغمہ آسمانی ابھر رہا ہے۔ مثلاً قرآن کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی آیت۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلِئَكَتَهُ يُصَلِّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۖ يَا أَيُّهَا^٦
الَّذِينَ آمَنُوا صَلَوَّا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا
بِيَكْ اللَّهِ اور اس کے ملائکہ رسول پر صلوات بھیجتے
ہیں تو اے صاحبانِ ایمان تم بھی ان پر صلوات بھیجتے
رہو اور سلام کرتے رہو۔

(سورہ احزاب، آیت ۵۶)

آیت کا آخری لفظ پوری آیت کی تفسیر کر رہا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے ذہن دنیاوی زندگی کے وحدنے کے سے بدل کر انوارِ حرم کی خلکی محسوس کر رہا ہے۔ آیت کی آخری لفظیں سلمو تیما کو جب ہم اپنے خیالات کو کھنگاتے ہیں اور مبذول کرتے ہیں اپنی کوششوں کو اس راہ پر چلنے کی جس راہ پر وہ لوگ اپنے نقش قدم چھوڑ گئے ہیں جو سلمو تیما کے پیکر خاکی کے مظہر تھے۔ اگر اس آیت کی روشنی میں ہم ان لوگوں کو بھی دیکھیں جن کا وظیفہ اس آیت کے درود و سلام پر رہتا ہے۔ انہوں نے اس سلمو تیما کا کتنا حق ادا کیا ہے۔ اگر ایک بڑی اکثریت اس طرف پوری زندگی سلمو تیما کے ڈھانچے میں

اقرار کرے اور ولایت و امامت کو تسلیم نہ کرے تو وہ مسلمان تو ہو گا لیکن گمراہ ہو گا (مومن نہیں ہو گا)۔
(تفسیر برہان، ج ۲، ص ۲۱۲، ح ۵؛ کافی، ج ۲، ص ۲۲، ح ۳۷)

تسلیم ظاہری انسان کے لئے موجب عذاب ہوتی ہے۔
مثلاً قرآن آواز دے رہا ہے کہ جو کوئی خدا اور اس کے دستور (حکم) سے منح موڑے گا۔ یعنی خدا، حرم، عجّب وغیرہ کریگا تو خدا اس پر عذاب نازل کریگا۔ ظاہری طور پر انسان اسے قبول کرتا ہے اور اسے سمجھتا بھی ہے مگر یہ بات اس کے قلب کی گہرائیوں تک نہیں اترتی ہے۔

وَجَحْدُوا إِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا
وَعُلُوًّا طَ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُفْسِدِينَ^{۱۳}

اور باوجود یہ کہ ان کے دل کو ان محجزات کا یقین تھا مگر پھر بھی ان لوگوں نے سرکشی اور تکبر سے ان کو نہ مانا۔ تو (اے رسول) دیکھو کہ (آخر) مفسدوں کا انعام کیا ہوا۔

(سورہ نمل، آیت ۱۳)

یہ کلام الہی کا اعجاز ہے کہ وہ اس نسخیاتی پہلو کو کتنے اچھے انداز میں بیان کر رہا ہے۔

باوجود یہ کہ ان کے دل کو اس کا یقین تھا مگر پھر بھی ان لوگوں نے سرکشی اور تکبر سے ان کو نہ مانا۔

فرعون جاتا تھا کہ موئی علیلہم حق بیانی کر رہے ہیں اور اس کی عقل انھیں تسلیم بھی کر رہی تھی مگر خود پسندی اور جاه و حشم، سلطنت و ریاست کی وجہ سے انہیں قبی طور پر تسلیم نہیں کیا۔

معاویہ بن ابی سفیان دوسروں سے زیادہ امیر المؤمنین

یہ بدوعرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لاتے بلکہ یہ کہو کہ اسلام لاتے ہیں کہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔

(سورہ ججرات، آیت ۱۲)

رابطہ ما بین اسلام و ایمان

مندرجہ بالا آیت اسلام اور ایمان کے ما بین ایک بین فرق کی طرف اشارہ ان لوگوں کے لئے کرتی ہے جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن ان کے سامنے ایمان کی منزل پہنچنے ارتقاء کے مدارج نہیں ہیں۔ اسلام اسی وقت اسلام کی تعریف میں آیا گا جب رہوان اسلام ایمان کی حقیقت کو سمجھ لیں، درک کر لیں، جس کا تعلق امامت و ولایت اہل بیت علیلہم سے ہے۔ جس کے بغیر اسلام اپنی ہیئت اور وجود کا تصور تو پیش کر سکتا ہے لیکن وہ اسلام کی ظاہری صورت سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ لہذا تسلیم ظاہری سے انسان مسلمان تو ہو سکتا ہے مگر مومن نہیں ہو سکتا۔

اب ہم ایمان اور اسلام کے بارے میں امام صادق علیلہم کے قول کو بیان کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ جس میں آپ علیلہم فرماتے ہیں:

اسلام وہ ظاہری چیزیں ہیں جس پر عام طور سے لوگ قائم ہیں یعنی خدا کی توحید اور یکتائی کی گواہی اور یہ کہ آنحضرت ﷺ خدا کے بندے اور اس کے رسول میں اور نماز قائم کرنا، زکات ادا کرنا، حج کرنا، ماہ صیام میں روزے رکھنا یہ ہے اسلام۔ لیکن ایمان ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ اہل بیت علیلہم کی امامت و ولایت کا اقرار کرنا ہے اگر کوئی شخص ان تمام باتوں کا

جَاءَهُ بِهِ يَعْنِي وِلَايَتْ اُرْجُو كُجْهَا سَكَّ كَذْرِيعَهُ هُمْ تَكْ بَيْنَهُنَا ہے
اُسَّ تَسْلِيمَ كَرْنَا۔

(تفسیر القمی، ج ۲، ص ۱۹۶؛ تفسیر برہان، ج ۳، ص ۳۸۸)

ابو بصیر نے امام صادق علیہ السلام سے سورہ احزاب آیت ۵۶
کے بارے میں سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:
ان پر صلوٰت بھیجا اور جو کچھ انہوں نے بتایا اس کے
سامنے سرِ تسلیم خم ہونا ہے۔

(عاصی، ج ۱، ص ۱۷۴)
ابوہاشم کہتے ہیں میں امام جعفر صادقؑ کے ساتھ مسجد الحرام
میں تھا۔ والی (گورز) مدینہ منبر پر گیا اور جمیعہ کا خطبہ دیتے
ہوئے کہا

إِنَّ اللَّهَ وَمَلِكُ الْكَوَافِرِ يُصَلِّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ طَيَّابِهَا
الَّذِينَ أَمْنُوا صَلَوَاعَلَيْهِ وَسَلَّمُوا التَّسْلِيمَ^{۱۵}

امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

اے ابوہاشم یہ کیا جانے اس آیت کی تفہیر کے بارے
میں؟ پھر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

(سَلِّمُوا الْوَلَايَةَ (لِعَلِّي) تَسْلِيمًا

یعنی حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے سامنے سرِ تسلیم خم
کرنا۔

اور اس دن خدا کے سامنے مرنگوں ہو جائیں گے۔

(سورہ نحل، آیت ۸۷)

اس میں بھی نہیں کہ خدا اور اس کے فرشتے پیغمبر
علیہ السلام (اور ان کی آل) پر درود بھیجتے ہیں۔ تو اے
ایماندارو تم بھی درود بھیجتے رہو اور برابر اسلام کرتے
رہو۔

(سورہ احزاب، آیت ۵۶)

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو جاتا تھا مگر ان جناب علیہ السلام
کے سامنے خاضع نہیں تھا ان علیہ السلام سے بعض و عناد رکھ کر اپنی
ماقبت بر باد کر لی۔

تسلیم قلبی

یہی تسلیم حقیقی ہے یہی جنت کی نمائندگان ہے۔ قلب انسانی
میں جب تسلیم کا نور پیدا ہوتا ہے تو اس کی سمعیت، اس کا عمق بڑھ
جاتا ہے۔

یہی اصل تسلیم ہے جو انسان اپنے قلب سے کرتا ہے۔ اور
تسلیم قلبی کا ثمرہ ایمان و عمل ہوا کرتا ہے۔ ہم اسی تسلیم حقیقی پر تبصرہ
کریں گے۔

یہ کہنا غیر مناسب نہ ہو گا کہ جب تسلیم ظاہری تسلیم قلبی میں بدلتی
ہے تو انسان معراج کی منزل پر نظر آتا ہے۔ کبھی وہ سلمان محمدی
رحمۃ اللہ علیہ، حر بن یزید ریاحی، توکبھی زہیر بن قین بن بخشی، ہارون مکی، فضیل
بن یمار، گلیب (لتسلیم)، وغیرہ بن جاتا ہے۔ مگر جب خدا خواستہ
یہی تسلیم صرف شعور تک محدود رہ جائے تو وہ حسان بن ثابت، علی بن
حمزة البطائی، شلماغانی کی شکل میں نظر آتا ہے۔

جب انسان تسلیم و رضا کی منزل میں آ جاتا ہے تو اس کو
خود خود یہ احساس ہو جاتا ہے کہ وہ امام سے کیوں اور کیا کی بحث نہ
کرے۔ اگر امام صادق علیہ السلام کے سامنے ایک ہی سبب کے دو
 حصے کر کے رکھ دیتے جائیں اور امام علیہ السلام فرمائیں سبب کا یہ حصہ
حلال اور یہ حصہ حرام ہے تو سوال کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔

آئیے دیکھتے ہیں احادیث ائمہ معصومین علیہم السلام کی روشنی میں
تسلیم حقیقی کیا ہے۔

سَلِّمُوا التَّسْلِيمَأَيْعْنِي سَلِّمُوا إِلَهُ الْوَلَايَةِ وَهُمَا

آئیے تاریخ کے چند اور اق کھنگالیں اور دیکھیں تسلیم قبلی کے کیا آثار و برکات میں اگر اسلام کے اوائل کا جائزہ لیا جائے تو سرفہرست "حسان بن ثابت" کا نام ذہن میں آتا ہے۔ انہوں نے پختن پاک کی زیارت کی تھی۔ صحابی رسول ﷺ تھے۔ ابھی میں واقعہ غدری میں موجود تھے امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب علیہما اللہ تعالیٰ نعمت ہی نہیں بلکہ آپ علیہما اللہ تعالیٰ نعمت مدح میں قصیدہ فی البدی کہا تھا۔ مگر صرف تسلیم ظاہری تھی۔ تسلیم قبلی نہ ہونے کی وجہ سے خلیفہ سوم کے زمانے میں کسی نے دریافت کیا علی علیہما اللہ تعالیٰ نعمت پر میں یا عثمان؟ کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم۔ راوی نے جب حضرت علی علیہما اللہ تعالیٰ نعمت سے حسان بن ثابت کے فوت ہونے کے بعد سوال کیا۔

کیا وہ آپ علیہما اللہ تعالیٰ نعمت کا شیعہ مرد؟ امام علیہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ
مِيَتَةً جَاهِلِيَّةً

حسان جاہلیت کی موت مر۔ یعنی حقیقی امام کے سامنے تسلیم قبی نہ کرنا جہنم کی ابدي اذیتوں کا موجب ہوتا ہے۔ کر بلماڑی بنیادی درسگاہ ہے۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے قاتلین امام حسین علیہما اللہ تعالیٰ نعمت پہچانتے نہیں تھے؟ وہ لوگ بھی تسلیم ظاہری کی منزل پر تھے مگر تسلیم قبلی کافقتاں تھا جس کی وجہ سے جہنم کے متحقی قرار پائے۔ تاریخ ایسے کرداروں سے بھری پڑی ہے۔

حسن بن علی وشا کہتے ہیں ایک دن مجھے میرے سید و سردار حضرت امام رضا علیہما اللہ تعالیٰ نے مَرْوِبْلَا یا اور فرمایا۔ حسن! آج علی بن ابی حمزہ بطائی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی قبر میں دو فرشتے سوال و جواب کے لئے داخل ہوئے اور انہوں نے سوال کرنا شروع کیا۔ تمہارا رب کون ہے؟ اس نے کہا اللہ۔ پھر انہوں نے

عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اے رسول) کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ (یوں) کہو کہ اسلام لائے حالانکہ ایمان کا تو ابھی تک تمہارے دلوں میں گزر ہوا ہی نہیں۔

(سورہ حجرات، آیت ۱۲)

اور باوجود یہاں کے دل کو ان محجزات کا تعلق تھا مگر پھر بھی ان لوگوں نے سرکشی اور تکبیر سے ان کو نہ مانا۔ تو (اے رسول) دیکھو کہ (آخر) مفدوں کا انجام کیا ہوا۔

(سورہ نمل، آیت ۱۲)

موسیٰ نے کہا تم یہ ضرور جانتے ہو کہ یہ معجزے سارے آسمان و زمین کے پروردگار نے نازل کئے (اور وہ بھی لوگوں کی) سوچ کی باتیں ہیں۔ اور اے فرعون میں تو خیال کرتا ہوں کہ تم پر شامت آئی ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱۰۲)

اور ان کے دل تو میں (مگر قصدًا) ان سے سمجھتے ہی نہیں۔

(سورہ اعراف، آیت ۱۷۹)

یہ لوگ قرآن میں (ذرابھی) غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں۔

(سورہ محمد، آیت ۷)

کیا یہ لوگ رو سے زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں تاکہ ان کے ایسے دل ہوتے جن سے (حق باتوں کو) سمجھتے یا ان کے ایسے کان ہوتے جن کے ذریعہ سے پچی باتوں کو سنتے۔

(سورہ حج، آیت ۲۶)

خود امام زمان علیہ السلام کی طرف سے توقع وارد ہوئی جس میں
آپ علیہ السلام نے اس پر لعنت کی ہے۔

(مهدی موعود، (ترجمہ بخار الانوار، ج ۱۵، ج ۶۸۵)

آخر کس چیز نے شلمغانی کو گمراہ کیا؟ کیا اس کے پاس تسلیم
ٹلاہری نہیں تھی؟ بالکل تھی مگر تسلیم قبیل نہ ہونے کی وجہ سے ولایت
امام زمان علیہ السلام سے منحصراً ہو گیا۔ اگر ہمیں تسلیم قبیل سمجھنا ہے تو اہل
بیت علیہ السلام کے مخلص شیعوں کی حیات طیبہ پر نظر ثانی کرنا ہو گا۔
اوائل اسلام میں سرفہرست جناب سلمان محمدی رحمۃ اللہ علیہ کا تسلیم کا یہ عالم
تحاکہ آپ اُسی جگہ قدم رکھنا پسند کرتے تھے جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے قدم کے نشان ہوتے اہل بیت علیہ السلام کے ہر قول و فعل میں
اممٰنَا وَ صَدَّقَنَا کی منزل تھی۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ رسول

اللہ علیہ السلام کو کہنا پڑا السُّلْطَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ۔

شہداء کر بلاؤ جو عظمت و منزلت حاصل ہے وہ صرف اسی
تسلیم قبیل کی بناء پر۔ ورنہ اصحاب امام حسین علیہ السلام کے سامنے موت
کھڑی تھی مگر وہ لوگ یہی تو کہہ رہے تھے ابن رسول اللہ علیہ السلام کیا اگر
ہمیں ستر مرتبہ بھی مارا جائے اور زندہ کیا جائے تو بھی ہم آپ علیہ السلام
کی نصرت سے باز نہیں آئیں گے۔

یہی نہیں بلکہ دیگر ائمہ علیہ السلام کے زمانے میں بھی ایسے
نایاب گوہر نظر آتے ہیں مثلاً امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی جناب
ہارون میگی۔ یہ وہ صحابی یہیں جن کی تسلیم قبیل کا یہ عالم ہے کہ ایک دن
امام علیہ السلام نے ان سے کہا جلتے تور میں کو دجاو۔ ہارون میگی بلا چوں
چرا تور میں کو د گئے۔ کچھ دیر بعد یکھا گیا کہ وہ آگ پر دوز انوں
ہو کر پیٹھے خدا کی حمد و ثناء کر رہیں ہیں۔

(زندگانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، ترجمہ بخار الانوار، ج ۷، ج ۲، ج ۱۰۵)

محترم بن زید شام امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں

سوال کیا تمہارا بھی کون ہے؟ اس نے جواب دیا 'حضرت محمد علیہ السلام'۔
پھر سوال کیا تمہارا ولی کون ہے؟ اس نے جواب دیا 'حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام'۔ ان کے بعد؟ تو اس نے کہا 'حسن علیہ السلام'۔
پھر؟ تو اس نے کہا 'حسین علیہ السلام' پھر؟ تو اس نے کہا 'علی بن احسین علیہ السلام' پھر؟ تو اس نے کہا 'محمد بن علی علیہ السلام' پھر؟ تو اس نے کہا 'جعفر بن محمد علیہ السلام' پھر؟ تو اس نے کہا 'موی بن جعفر علیہ السلام'۔
پھر؟ تو وہ لڑکھڑا نے لگا تو انھوں نے اسے جھڑ کا اور پھر پوچھا پھر
کون؟ تو وہ خاموش ہو گیا۔ تب انھوں نے کہا کیا تھے موی بن جعفر علیہ السلام نے اس امر (یعنی امامت حضرت علی بن موی الرضا علیہ السلام) کے بارے میں نہیں بتایا تھا؟ پھر انھوں نے آگ
کے تازیانے سے اس کی قبر کو آگ سے روزقی امت تک کے
لنے بھر دیا۔ حسن کہتے ہیں پھر میں اپنے سید و سردار کے یہاں سے
نکلا اور اس دن کی تاریخ لکھ لی یہاں تک کہ کچھ دن گذرے اور
کوئی نہیں کی طرف سے ایک خط آیا جس میں بطاختی کے فوت ہونے
کا وقت اور تاریخ وہی لکھی تھی جس کا امام علیہ السلام نے ذکر کیا تھا۔
(بخار الانوار ج ۳۹ ص ۵۸)

یہ بات ذہن میں رہے کہ علی بن حمزہ بطاختی کوئی معمولی
انسان نہیں تھا یہ امام موی بن جعفر علیہ السلام کے خاص اصحاب میں
سے تھا۔ بلکہ مورداً عتماد و کلام میں سے تھا۔ اہل ثقہ میں سے تھا مگر
بعد میں واپسی ہو گیا تھا اور امام رضا علیہ السلام کی امامت کا انکار کیا اس
کی اصل وجہ تسلیم ظاہری تو تھی مگر تسلیم قبیل نہیں تھی۔

یہی نہیں بلکہ غیبت صغیری میں محمد بن علی شلمغانی عراقی جو
کہ اصحاب امام حسن عسکری علیہ السلام میں سے تھا۔ کتنی کتنا بیس لکھی مگر
جناب حسین بن روح نوبختی کے زمانے میں نائب خاص ہونے کا
جو ٹنادعویٰ کیا اور گمراہ ہو گیا۔

یہاں حوصلہ کی جنہش سے مراد بیداری ہے یعنی یہ میں اپنے امام وقت علیتیم کی طرف متوجہ ہونا چاہئے ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دن رات کوشش کرنا چاہئے۔ نیند سے بوجمل آنکھیں کم سے کم اپنے تصور میں ان بستیوں کی طرف نظر آٹھا کر دیکھیں جہاں انوار کی بارش ہو رہی ہے اور وہ منزل ہمارے امام زمانہ علیتیم کی خیمة گاہ ہے اور یہی علم و تسلیم کے مقصد کی روح ہے۔

یعنی اہل بیت علیتیم کے قول فعل کے سامنے سر تسلیم خم ہونا خداوند عالم کی رحمت و مغفرت کا موجب ہے۔ اور نجات کا ذریعہ ہے۔ حضرت بقیۃ اللہ الاعظیم نے اپنی ایک توقع میں اسی مطلب کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

...فَاتَّقُوا اللَّهَ وَسَلِّمُوا إلَيْهِ ...

تقوی الہی اختیار کرو اور ہمارے سامنے تسلیم ہو جاؤ۔

(بخار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۲۹)

اور ایک دوسری توقع میں ملتا ہے۔

يَا مَهْزُومٌ... وَنَجَا الْمُسَلِّمُونَ ...

اے مهزوم..... نجات صرف اہل تسلیم کے لئے ہی
ہے۔

انسان پیش دا رشکوہ برلب ہو سکتا ہے کہ ایسے افراد، ایسے مخلصین، ایسے صالحین کی حیات طیبہ اور ان کے وظائف ہمارے سامنے نہیں تھے۔ جن کی تعقیب میں ہماری روح تسلیم قلبی کے منازل طے کرتی۔ بنابر این اس عالم امکان میں ایک کاروان ہے۔

جب میں امام صادق علیتیم کی خدمت میں گیا اور بیان کیا کہ ہمارے درمیان ایک شخص آتا ہے جس کا نام کلیب ہے۔ اس کے سامنے ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں (آپ علیتیم کی حدیثیں) تو وہ فوراً کہتا ہے، آنا اُسْلِمُ (میں نے تسلیم کیا) تو ہم لوگوں نے اس کا نام ہی "کلیب تسلیم" رکھ دیا۔ تو امام صادق علیتیم نے فرمایا: خدا اس پر حرج کرے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو تسلیم کیا ہے؟ تو ہم غاموش ہو گئے۔ پھر امام علیتیم نے فرمایا

اللَّهُ كَمَنْ ذَلِيلٍ وَخَوارٍ هُوَنَا أَوْ اِمَامٌ عَلِيٌّمٌ نَفْرِمَا يَا

قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاحَاتِ وَأَخْبَتُوا

إِلَى رَبِّهِمْ

پیش جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دئے اور اپنے رب کی بارگاہ میں عاجزی سے پیش آئے۔

(سورہ ہود، آیت ۲۳)

انسان کی نجات صرف اور صرف اہل بیت علیتیم کے سامنے تسلیم قبیلی میں ہے۔ ایک کاروان ہے وہ اعجاز امامت کی نشاندہی کرتا ہوا اپنی منزل کی طرف جولان قدیم کے ساتھ رواں دواں ہے۔ یہ اعجاز امامت ان کے دلوں میں نور و لایت کی جلوہ گری کرتا ہے۔ یہ کاروان حق کا علم لے کر ہندیب شریعت کے لئے حق کے متلاشی افراد کے لئے راہ ہموار کر رہا ہے۔ آواز آرہی ہے جو عقل و خرد کو دعوت عمل دے رہی ہے۔ آگہی دے رہی ہے۔ ایک ذرا سی حوصلہ کی جنہش اگر امام علیتیم کی توجہ ہماری طرف کر دے تو اس دنیا میں جہاں ہزاروں بھنو آرہے ہیں اُسے بچا کر اپنی منزل کی طرف رسیدگی کی سعادت عطا فرمائیں گے۔

گَشْفُ الْأَسْتَارِ عَنْ وَجْهِ الْغَائِبِ عَنِ الْأَبْصَارِ

رخسار پہاں سے پردہ کاٹھنا

اور دوسری طرف ٹلمت پرست ایک تابنا ک مرکز نور کو اپنی پھونکوں سے خاموش کرنے کا ارادہ کئے بیٹھے ہیں۔ لیکن خدا نے اس کے دوام کا وعدہ کیا ہے اور اسے پورا کرے گا، اگرچہ ملک تاریک کے شیدائیوں کو ناگواری کیوں نہ لگے۔

شہر سامرا زمانے کے گذرنے کے ساتھ تیر ہویں صدی بھری تک آپ ہونچا۔ تقریباً ۱۲۹ھ میں ایک روشن بین و دانا و ہوشیار و جامع شناس عالم، مرحوم آیت اللہ میرزا حسن شیرازی نجف سے سامرا تشریف لاتے اور اس شہر کے معنوی چہرے کو زندہ کر دیا اور دوبارہ اس سرزی میں کو دیار امامت و انتشار کا مرکز بنادیا۔ اس تاریخی بھرت کی برکت سے، درس علوم دینی کے جلسات، شہری ترقی اور شہری خدمات، سفر زیارتی وغیرہ سامرا میں بڑھ گئے یہاں تک کہی دہائیوں تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس مقدس بھرت کے آثاراب تک اس شہر میں نمایاں ہیں۔

نامور محدث مرحوم میرزا حسین نوری طبری ایک ایسے عالم تھے جو میرزا بزرگ شیرازی کے چھیتے اور مورداعتماد تھے اور اس تاریخی بھرت میں ان کے ہمراہ تھے اور میرزا بزرگ شیرازی کی رحلت (۱۳۱۲ھ) تک سامرا میں ان کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد ۱۳۱۳ھ میں وہ نجف لوٹے۔ مرحوم محدث نوری قدس سرہ کی چند تکانیں اور خاص طور سے ”متدرک الوسائل“ سامرا میں قیام کے دوران لکھی گئیں۔ متدرک کی تین جلدیں ۵۷۱۳ھ، ۶۰۱۳ھ اور ۶۳۱۳ھ میں سامرا میں تکمیل کو پہنچیں اور اس کے فوراً بعد ”غاتمة متدرک الوسائل“ لکھنا شروع کیا اور ۶۸۱۳ھ میں نجف میں مکمل

سامرا، خوشگوار آب و ہوا کا ایک شہر عراق کے جنوب میں دجلہ کے کنارے تیسرا صدی بھری میں بنایا گیا۔ اور دجلہ کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے بعض عباسی خلفاء کی حکومت کی راجدھانی رہا ہے۔ اور اس زمانے میں امام ہادی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کے اجراءً اس شہر میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے اہل ایمان کے لئے ارض مقدس قرار پایا۔ اسی سرزی میں پر امام حسن عسکری علیہما السلام کا بیت الشرف تھا جہاں امام ولی العصر علیہ السلام کی ولادت واقع ہوئی جس گھر میں بوقت ولادت آسمان سے حوریں فرش پر اتر کر آئیں۔ صح کاذب صح صادق کی کرنوں کے انتقال میں تھی عرش کے منازل کی جلوہ گری کی شاہد جناب حکیمہ خاتون تھیں۔ نہ اس صح کی جو وحی و لادت امام زمانہ علیہ السلام ہے، نہ اس بیت کی جو جائے ولادت امام عصر علیہ السلام ہے، نہ اس شہر کی جس میں یہ رشک فردوس جو خانہ عسکری تھا، کسی زبان میں اتنی سکت نہیں ہے کہ جو اس کی فضیتوں کو بیان کر سکے یا اسے پر دفلم و قرطاس کر سکے۔ اسی لئے وہ جگہ آج ہزاروں موننوں کے لئے زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

اس طرح، تیسرا صدی بھری سے، ہمیشہ اس شہر کو دوزاویہ سے دیکھا گیا: ایک تو اس کا قادر تی بساہ اور حاکموں کی عیش بھری زندگی اور ماڈی لذتوں کے ساتھ دجلہ کے آب جباری سے لطف اندوز ہونا اور دوسری طرف اہل ایمان کی توجہ خاندان نوری یعنی شاخ پر باز بھرہ طبیبہ نبوت و امامت کی طرف، اس شہر کی رونقوں میں اضافہ کرتا رہا۔ اہل ایمان میں ولایت و انتظام موعود کے آب جاری کو سامرا میں دیکھا اور پھر ان کے انتقال میں آنکھیں بچھاتے بیٹھے ہیں

بیان کرنے پر آمادہ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس عامل کو خارجی سبب و علت قرار دینا چاہیے داخلی عوامل پر، اس معنی میں کہ حتیٰ کہ اگر عامل خارجی منفی اس زمانے میں واقع نہیں ہوتے تھے، داخلی عوامل؛ اس حد تک وقت پیدا کر جکے تھے کہ اس مکتب کے تربیت یافتگان کو مہدویت کے دفاع جبانانہ کے لیے دینی تربیت کے محوری عنصر کے عنوان سے آمادہ کیا۔ یہ اجمانی جائزہ ہے اس کی تفصیل کی اور موقعہ پر انشاء اللہ۔

محمد محقق، عقیدوں کی عدوں کی حفاظت کرنے والے، داخلی اور خارجی بدعنوں کو اجاگر کرنے والے، میرزا حبیب نوری ۱۸۲۵ء میں شہر نور مازندران کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات "یاؤ" میں پیدا ہوتے۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ کے والد میرزا محمد تقی نوری کا انتقال ہو گیا۔ بالغ ہونے کے بعد مولیٰ محمد عسکر محلاتی کے زیر نگرانی آئی اور انہوں نے محدث نوری کو عالم جلیل فقیہ زاہد و رعنیل بنایا۔ اس کے بعد بارہا عراق گئے اور آئے، مخدوم ۳۲۱ء میں شیخ عبدالرحیم بروجردی کے ساتھ پارسال نجف میں رہے، پھر ۳۲۲ء میں سفر کیا تو عالم خیر، فقیہ جامع شیخ عبدالحسین تہرانی کے پاس پہنچے اور ان کے ہمراہ کربلا پلے گئے اور دوسال کاظمین میں تھے۔ ۳۲۰ء میں شیخ مرتفع انصاری کی زندگی کے آخری چھ مہینوں میں ان سے استفادہ کیا۔ پھر ۳۲۶ء میں نجف پہنچے یہاں تک کہ ۳۲۱ء میں شیخ میرزا حسن شیرازی کے مغضراً میں لوٹ آئے اور اس مرتبہ آپ میرزا محمد حسن شیرازی کی وفات تک پہنچے یہاں تک کہ ۳۲۲ء میں شیخ میرزا حسن شیرازی کی وفات تک نجف و سامرائیں ان کے ساتھ رہے اور آپ کا شمار معمدین غاص میں ہوتا تھا۔ ۳۲۳ء میں سامرائے نجف لوٹے اور ۳۲۰ء میں ۶۶ رسال کی عمر میں وفات پائی۔

اس مضمون میں ہمارا موضوع آپ کی کتاب کشف الاستارا کا تعارف ہے۔ اس لیے یہیں بات کو روکتے ہوئے اصل موضوع پر

کیا۔ لے مترک، خاتمہ کے ساتھی اشاعت میں دس جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

آیت اللہ میرزا محمد حسن شیرازی، نمایاں خصوصیات کے حامل تھے اور عملائی خصوصیات ان کے شاگردوں میں منتقل ہوئی۔ اسی وجہ سے، وہ خصوصیات "مکتب سامرا" کے عنوان سے یاد کی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض خصوصیات "استاد فقید سید مصلح الدین محمد وی" کے نقل کے مطابق، اس طرح ہیں:

☆ تہذیب نفس اور خود سازی پر توجہ اور اخلاق و سلوک کا محور مبنی بر شرع

☆ دین کے عملی پہلو پر توجہ اور اجتماعی و فرنگی و سماجی جگہوں پر انہماک کے ساتھ حاضری

☆ زمانہ شناسی اور وظیفہ شناسی

☆ مخصوص توجہ مقام ولایت اہل بیت علیہ السلام پر

☆ مخصوص توجہ امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی امامت کے دفاع پر

☆ بیگانوں کے نفوذ کی مخالفت

☆ مظلومین کے حقوق کا دفاع

ایک خصوصیت، زیادہ سے زیادہ توجہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سے علاقہ و مجتہ ہے اور یہ توجہ اور خصوصیت مکتب سامرا کے تربیت یافتہ لوگوں کی اکثریت میں پائی جاتی ہے۔

البیة: بعض صاحبان نظر، اس طرز عمل کے اصلی عامل کو فرقہ بایت کے ظہور میں آنے اور ان (بایتوں) کی نعمص مہدوی کی ناروا اور غلط توجیہات کو جانتے ہیں اور ان کے مطابق مکتب سامرا نے اس وقت کے علماء کو نعمص مہدوی کے دفاع اور ان کے صحیح

لے رجوع کرو: سالمندر گی مرحوم نوری در: علامہ محدث نوری: عبد

احبیب طالبی و محمد حبیب صفا خواہ ص ۳۸-۳۹

آلہ کے ناروا اشکال و شہابات کا جواب لکھا ڈالا۔ اس کتاب ”کشف الاتار عن وجہ الغائب عن الابصار“ کو ۹ رجبادی الثانی ۱۳۴۰ھ کو مکمل کیا۔ یعنی خاتمهٗ مستدرک کو پچھے چھوڑ دیا اور اس کو مقدم کر دیا۔ کتاب کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے محدث نوری نے خود اس کی اشاعت کا اہتمام کیا اور ۸ ارب جمادی الاولی ۱۳۴۸ھ میں تہران کے ”مطبع حاج احمد مولید العلماء“ کے ذریعہ کتاب چھپ گئی۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور دو فصلوں پر اور خاتمةٗ الكتاب و ملحوظات کتاب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں تالیف کا ببب اور متن میں قصیدہ بغدادیہ آیا ہے۔ فصل اول (صفحہ ۷ تا ۱۵۲) محدث نوری نے امام مہدی علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں مسلمانوں کے نظریات کو بیان کی ہے۔ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام عالمی نجات دہنده میں اور اس سلسلہ میں روایات تو اتر سے وجود رکھتی ہیں، لیکن دو معاملات میں علمائے امامیہ کا بعض علمائے اہل سنت سے اختلاف ہے:

پہلا اختلاف یہ کہ مہدی حسینی میں یا حسینی؟

دوسرा اختلاف یہ کہ وہ پیدا ہو چکے ہیں یا نہیں؟

اس فصل کی ابتداء میں امام مہدی علیہ السلام (ہمنام پیغمبر اور فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام میں اور ۲۵ رجب ۱۳۴۵ھ میں پیدا ہوئے) کی طرف اشارہ کیا ہے اور چالیس علماء اہل سنت کا تذکرہ کیا ہے کہ جنہوں نے امام مہدی علیہ السلام کی ولادت کی گواہی دی ہے اور اعتراف کیا ہے۔ ان علماء کی عظمت علمی کا ذکر ستر رجالی کتابوں کے حوالہ سے کیا ہے بعض کا تذکرہ برآ راست مربوط منابع سے نقل کیا ہے اور بعض کا تذکرہ مرحوم میر حامد جیمن ہندی (عبد القاتی) کی کتاب ”اسقاصاء الافحاظ“ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اس فصل میں بعض طالب فارسی زبان میں ہیں۔ فصل اول میں اجمانی دلیل کے ذکر کے ساتھ کہ مہدی موعود وہی جدت بن الحسن عسکری علیہ السلام

آتے ہیں۔ آپ کی علی ہجۃ و بہادر آثار کے لیے رجوع کرو المتنفر۔ ربع الثانی ۱۳۴۶ھ میں محمود شیری آلہ کا لکھا ہوا ایک قصیدہ نجف اشرف میں پہنچا جو قصیدہ بغدادیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ قصیدہ کا مطلع اس طرح تھا:

أَيَا عُلَيْهِ الْعَصْرِ يَا مَنْ لَهُمْ خَبْرٌ
إِلَّا دَقِيقَتِ حَارِفٍ فِي مِثْلِهِ الْفِكْرُ
أَعْلَمُ بِعَالَمٍ حَرَفٌ كَبَرٌ مِّنْ يَخْبُرُ
وَقِيقٌ سَالٌ مِّنْ هَمِيشَةِ حِيرَانٍ وَمِدِيشَانٍ

آلہ نے اس قصیدہ میں ۲۵ اشعار میں امام عصر علیہ السلام کے وجود، طول عمر، غیبت اور آپ کی بعض خصوصیات پر شہر پیدا کیا ہے۔ جب یہ قصیدہ نجف پہنچا اس وقت محدث نوری قدس سرہ شدت کے ساتھ خاتمهٗ مستدرک لکھنے میں مشغول تھے۔ آپ نے اس دور میں دوسری بہت سی تالیفات کی درخواست کو خاتمهٗ مستدرک پر موکول کر رکھا تھا جیسا کہ ”لولو و مرجان“ کے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے کہ سید مرتضی جو پوری نے ہندوستان سے مجھے بارہا لکھا کہ اہل منبر اور ان کی آسانیوں کے لیے احادیث اور مقتل لکھوں، لیکن ”مستدرک“ میں مشغول ہونے کی وجہ سے انہیں جواب دینے میں تاخیر کی۔ خلاصہ یہ کہ ۸ ارب ۱۳۴۸ھ میں خاتمهٗ مستدرک کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۹ھ میں ”لولو و مرجان“ مکمل ہوئی۔

آپ کی مصروفیت کے اس دور میں آلہ کا قصیدہ درمیان میں آگیا جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ خاتمهٗ مستدرک کے لیے آپ تمام کاموں کو موقر کرتے رہے لیکن یہاں قصہ کچھ اور ہی تھا: بات تھی دین کے رکن رکیں عقیدہ کی، اور وہ بھی اشعار کی شکل میں اور مخصوصاً عربوں کے درمیان اثر کرنے والے کلام کی۔ اسی وجہ سے محدث نوری نے کم ہمت کسی اور بہت ہی مختصر مدت یعنی دو مہینہ میں

اسی طرح شارح (غاییۃ الاحکام) نے اپنی اسناد سے نقل کیا کہ ابی قتادہ نے کہا کہ میں نے نبی مسیح ﷺ کے فرمایا:

الْأَمْمَةُ بَعْدِنِي إِثْنَا عَشَرَ عَدُوٌّ لِّقُبَّاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَحَوَارِي عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

میرے بعد نقباء بنی اسرائیل اور عیسیٰ علیہ السلام کے خواری کی تعداد میں بارہ امام ہوں گے۔

اور (امام) حسین بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ: ہم میں سے بارہ مہدی ہیں۔ ان میں کے اول علی بن ابی طالب علیہ السلام اور آخری القائم۔ اس کے علاوہ صحابہ اور مسانید و سنن میں نقل ہوا ہے۔ ۳

تذکر

محدث نوری نے دلیلیں قائم کی ہیں کہ پیغمبر کے بعد بارہ خلیفہ پروردہ ہونے والی حدیثیں صحیح ہیں اور ان پر سمجھی کا اجماع ہے۔ اور علماء امامیہ نے جو کچھ نقل کیا ہے، ان تمام لوگوں پر ظاہر ہے جو اپنے ساتھ انصاف کرتے ہیں کہ یہ احادیث نبوی سوانح مذہب امامیہ کے کسی اور مذہب پر منطبق نہیں ہوتیں۔

قابل توجہ

اس حدیث کو تمام سنتی علماء نے صحیح جانا ہے۔ اس کے معنی پر بھی پورا اتفاق ہے لیکن اس کے ”صدق“ میں اختلاف ہے۔ بارہ خلیفہ کی فہرست سنتی علماء نے الگ الگ بنائی ہے مثلاً ان کے مطابق خلفاء راشدہ اور بنی امیہ کے حکمران یا بنی عباس کے حکمران لیکن جو بھی فہرست بنی وہ شرائط پر پوری نہ اتری مثلاً سب کے سب

یہ اور ان کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے اور اس سلسلہ میں جو بحثیں آئیں مبنی ہیں:

چچھ حدیثیں بارہ اماموں پر دلالت کرتی ہیں، کبھی یہ کلی طور پر ”اثنا عشر خلیفہ“ کے عنوان سے اور کبھی ائمہ کے ناموں اور ان کی خصوصیات کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

وَآخْرَ حَمْسِلِمٌ فِي صَحِيحِهِ مِنْ حَصِيبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمْرَةٍ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَعْتُهُ يَقُولُ: أَنَّ هَذَا الْأَمْرُ لَا يَنْقَضِي حَتَّى يَمْضِي فِيهِمْ إِثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً。 قَالَ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ خَفِيٍّ عَلَيَّ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي مَا قَالَ، قَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.

مسلم نے اپنی کتاب (صحیح) میں حسین سے اور اس نے جابر بن سمرہ سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے والد کے ہمراہ پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پیغمبر ﷺ کو فرماتے ہوئے سننا: یقیناً یہ امر (اسلام) ختم نہ ہوا گا یہاں تک کہ بارہ خلیفہ نہ ہو جائیں۔ جابر بن سمرہ نے کہا: پھر پیغمبر ﷺ نے کچھ آہستہ سے کہا تو میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ کیا کہا؟ میرے والد نے بتایا (کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا): وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ ۱

وَآخْرَ حَبْخَارِيٍّ: يَكُونُ بَعْدِنِي إِثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا。 وَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ

بخاری نے نقل کیا ہے کہ (پیغمبر ﷺ نے اپنے جانشینوں کے بارے میں فرمایا): میرے بعد بارہ امیر ہوں گے اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ ۲

۱۔ کشف الاتمار، ص ۱۰۸

۲۔ کشف الاتمار، ص ۱۰۹

مدینہ میں زندگی کے آخری لمحات میں جب پورا حجہ صاحبوں سے بھرا ہوا تھا، طائف سے لوٹنے کے بعد خطبہ میں اور اس کے علاوہ موقعوں پر بھی اسکی تکراری ہے۔ خلاصہ یہ کہ محدث نوری نے سنیوں کے مصادیں کو بارہ اماموں کے سلسلہ میں نہ صرف رد کیا ہے بلکہ یہ ثابت کیا ہے کہ اہل بیت اطہار علیہ السلام ہی جانشین پیغمبر ہیں اور اس لحاظ سے آج امام مہدی علیہ السلام زندہ موجود ہیں۔

(بقیہ آئندہ انشاء اللہ)

صفحہ نمبر ۱۲ رکابی

میں زندہ رہنے میں شک کرتے ہیں نہ جناب علیسی علیہ السلام کے آسمان پر زندہ رہنے میں نہ جناب یوسف علیہ السلام کے کنویں میں زندہ رہنے میں کسی کو شک و تردید ہے اور نہ ہی جناب یوسف علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہنے میں۔ ہاں اگر کسی کی حیات پر اعتراض ہے تو اس ذات مقدس کی حیات پر ہے جو اس روئے زمین پر اللہ کی آخری جست ہے جو یہاں لا اُرض قسطاً و عدلاً کا مصدقہ ہے جو حضرت رسول اللہ ﷺ کا بارہوال جانشین ہے یعنی حضرت امام مہدی علیہ السلام جن کی غیبت اور ظہور کا تذکرہ قرآن و حدیث میں وارد ہوا ہے۔

یہاں اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ کرانا چاہتے ہیں کہ درحقیقت امام زمانہ علیہ السلام کی حیات پر اعتراض کرنا خداوند عالم کی قدرت پر اعتراض کرنا ہے۔

ہم خداوند متعال کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ پروردگار! تجھے تیری آخری جست امام مہدی علیہ السلام کے وجود مقدس کا واسطہ نہیں ایسے پر فتن زمانہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی امامت کے عقیدہ پر ثابت قدم فرماؤ دشمنان اسلام کے پیدا کردہ شک و شبہات سے محفوظ فرم۔ (باقیہ آئندہ انشاء اللہ)

قریش سے ہوں یادیں کو ان کے وجود سے عزت و طاقت ملی ہو۔ یا مثلاً خلیفہ رسول خصال حمیدہ کا حامل ہو اور خصال قبیحہ سے پاک و پاکیزہ ہو، ہدایت یافہ ہو، دین حق پر ہو وغیرہ۔

محدث نوری قدس سرہ نے بڑی حسن خوبی کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اور بھی صحیح روایتوں کی روشنی میں بارہ خلیفہ یا بارہ جانشین پیغمبر صرف اہل بیت پیغمبر علیہ السلام ہیں، جن سے تمکن کے لیے پیغمبر ﷺ نے تاکید فرمائی۔ مولف مرحوم نے سنی حوالوں سے حدیث تلقین کو نقل کیا ہے مثلاً ابی سعید الخدری نے نقل کیا ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنِّي قَدْ
أَخْذَتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، أَحَدُهُمَا
أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ كِتَابُ اللَّهِ حَبْلٌ هَمْدُودٌ مِنَ
السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (أَوْ قَالَ مِنَ الْأَرْضِ) وَ
عِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي أَلَا وَإِنَّهُمْ لَنْ يَفْتَرِقُوا حَتَّى
يَرِدَّا عَلَى الْحَوْضِ

ابی سعید الخدری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سن: یقیناً میں نے دو قسمی خلیفہ تمہارے درمیان میں چھوڑا اگر انہیں لے لو تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہو گے، ان میں سے ایک اکبر ہے دوسرے سے، وہ کتاب خدا ایک طولانی رتی آسمان سے زمین تک (یا فرمایا زمین سے آسمان تک)۔ اور میری عترت اہل بیت۔ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک دونوں ہی میرے پاس خوبی (کوش) پہنچیں گے۔

تذکر

یہ حدیث متعدد موقعوں پر پیغمبر اکرم ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مقام عرفات میں، غدیر خم کے مقام پر،

پرچم حضرت امام مہدی علیہ السلام

اور اس کے ماضی پر ایک طاریہ نظر بھی ڈال لیں تاکہ ہم اسلامی پرچم کی اہمیت اور اس کی عظمت کو محسوس کر سکیں۔

عربی زبان میں پرچم کے لئے رایہ، لواء اور عَلْم وغیرہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ صاحب مجمع البحرين نے رایہ اور لواء کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں۔

**آلِرَّاِيَةُ، الْعَلْمُ الْكَبِيرُ وَاللَّوَاءُ دُونَ ذِلْكَ،
وَالرَّاِيَةُ هِيَ الِّيَقِنُ يَتَوَلَّهَا صَاحِبُ الْحَزْبِ وَ
يُقَاتِلُ عَلَيْهَا وَإِلَيْهَا تَمَيِّلُ الْمُقَاتِلُةُ**

(مجمع البحرين، ج ۱ ص ۱۹۹)

”رایہ سے مراد بڑا عَلْم ہے اور لواء اس کے علاوہ ہوتا ہے۔ رایہ جنگ لڑنے والے کے پاس ہوتا ہے اور اس کی بنیاد پر جنگ کی جاتی ہے اور اسی کی حباب جنگ کی بازگشت ہوتی ہے۔“

تاریخ انسانیت میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرچم بنایا۔ چنانچہ حضرت امام صادقؑ سے مروی ہے ”أَوَّلُ مَنِ اتَّخَذَ الرَّاِيَاتِ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ
(تہذیب الأحكام، ج ۱، ص ۷۰)

”سب سے پہلے جس نے پرچم بنائے وہ جناب ابراہیم علیہ السلام ہیں۔“

انسانی تاریخ میں جنگیں دو قسم کی ہوئی ہیں یا حق کی باطل کے ساتھ یا باطل کی باطل کے ساتھ۔ کبھی دو حق پرست گروہوں میں جنگ نہیں ہوتی۔ اشتباہ کی بنا پر تنازع تو ہو سکتا ہے لیکن جنگ نہیں ہوتی۔ لیکن فطرت انسانی جنگ وجدال، اڑائی جنگ اور خلفشار و انتشار کو

پرچم قوم و ملت کا وہ عظیم الشان، بلند مرتبہ نشان ہے جو بے جان ہو کر بھی اتنا باوقار، باعرت، با تو قیر، با حرمت ہے کہ ہر فرد جو اس قوم و ملت سے تعلق رکھتا ہے اس کے سامنے سر نگوں ہوتا ہے۔ جب وہ کھلتا ہے یا نصب ہوتا ہے اس کی عظمت کے سامنے قوی ترانے ساز و مضراب کے ساتھ فضای میں گونجھے لگتے ہیں۔ شکری دستے جب اس کے سامنے سے گزرتے ہیں اسے سلامی دیئے بغیر اگر گذر جائیں تو اس کی شان و شوکت اور رعب و جلال کی بے ادبی شمار ہوتی ہے۔ بہادری اور شجاعت کے تقاضے یہی نشان کے سایہ تک پروان چڑھتے ہیں۔ یہ ایک بے جان نشان ہے لیکن ملت اور قوم کا ہر بچہ، جوان، بزرگ اس پر اپنی جان چھڑ کتے ہیں۔

ابتدا سے آفریش سے زین فتنہ و فساد کی آما جاگہ رہی ہے۔ قدیم زمانہ سے وہ نشانات جو انسانی تہذیب کی تاریخ لکھنے میں معاون ہوتے ہیں یا وہ علامات جو تہذیب کی پیش رفت پرروشنی ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ ملتا ہے کہ یہ دنیا ملکوں میں بٹ گئی اور ہر جگہ اقوام و ملл نے اپنا ایک دستور قائم کیا جس کی پہچان کے لئے جتنی بھی قویں وجود میں آئیں اپنا ایک پرچم تیار کر لیا۔ یہی پرچم تسلی قوم نے یک جھنپتی کا پیغام اور اپنے وقار کا نشان قائم کیا۔ ہم سب پرچم کا نام سن کر اس کی ساخت کے لحاظ سے اس کے سامنے میں اس قوم کی تہذیبی پیش رفت جانتے ہیں اور پیچا نہتے ہیں۔

اب ہم اقوام و ملл کے بے شمار پرچموں کو بروطف کرتے ہوئے قارئین کو اسلامی پرچم کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔

قبل ازاں ہم اس کا ایک تاریخی جائزہ لیں۔ ہم اس بات کی ضرورت سمجھتے ہیں کہ پرچم کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں

کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، ندوہ بزدل و
ڈرپوک ہے اور نہ میدان جنگ سے فرار اختیار کرنے
والا، اللہ اس کے ہاتھوں فتح عنایت کرے گا۔“
یہ علمداری دنیا و آخرت میں صرف اہل بیت ﷺ سے مخصوص
ہے۔ اور یہی تواعلان رسالت مآب ہے:
”(یا علیٰ) آنَتِ صَاحِبُ رَأْيَتِي وَ لَوَائِي فِي
الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ“
(اماں طرسی، ص ۵۵)

”(اے علیٰ) آپ دنیا و آخرت میں میرا پرچم و
علم اٹھانے والے میں۔“

یہ پرچم ہمیشہ حضرت علیٰ ﷺ کے پاس رہا۔ ان کے بعد یہ پرچم امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے پاس آیا۔ امام حسین علیہما السلام نے کربلا میں اس پرچم کو قمر بنی ہاشم و فانی تاریخ ساز آفاقی و افلاکی جیشیت کے حامل حضرت ابوفضل عباس علیہما السلام کے حوالے کیا تھی کہ کربلا میں امام حسین علیہما السلام نے اپنی مختصر سی فوج ترتیب دی اور اس علم کی وہ وراثت جو رسول خدا ﷺ نے حضرت علیٰ ﷺ کو بخشی تھی، آپ علیہما السلام نے جناب ابوفضل عباس علیہما السلام کو عطا فرمائی۔ رقم الحروف کے بس میں تو کیا، بڑے بڑے صاحبان علم اس پرچم کے وقار و عظمت کا بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ ایک جملہ کافی ہے اس کی آفاقی و افلاکی فضیلت کے لئے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت عباس علمبردار کے دونوں ہاتھ شہید ہو چکے آپ نے مشک سکینہ ﷺ کو اپنے سینے سے دبایا اور اس علم کی بلندی کو قائم رکھا۔ جب آپ کا وقت شہادت قریب آیا تو آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جمد کو خیمه گاہ تک نہ لے جائیے گا۔ اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے امام حسین علیہما السلام جیسی عرش نشین شخصیت نے حضرت عباس علیہما السلام باوفا

ناپسند کرتی ہے اور اسی بنیاد پر فتنہ و فساد کے قلع قمع کرنے کے لئے وقتی طور پر شدت پسندی سے بھی گریز نہیں کرتی۔

بہر حال لوگوں نے گروہ بندی کی تخفیں کے لئے اپنے اپنے پرچم بنائے اور ہر پرچم اپنے حامل کے نظریات کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ ان تمام پرچموں کی تفصیل سے دامن کش ہوتے ہوئے ہم اصل تQN پرچم کے بارے میں تبصرہ کریں گے۔
ان پرچموں میں حق کا پرچم صرف جنت خدا کے ہمراہ ہوتا ہے جو اپنے علاوہ لقیہ پرچموں کے باطل ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنین علیہما السلام کا ارشاد گرامی ہے:

”مَعَنَارَأَيَةُ الْحَقِّ وَ الْهُدَى مَنْ سَيَقَهَا مَرَقَ
وَ مَنْ خَذَلَهَا هُنَّا هُنَّا حَقٌّ“

(بحار الانوار، ج ۳۲، ص ۲۶۲)

”حق اور ہدایت کا پرچم ہمارے ساتھ ہے۔ جو اس سے آگے بڑھا وہ گمراہ ہوا، جس نے اسے چھوڑ دیا وہ مت گیا اور جو اس سے متسلک رہا وہ ہدایت یافتہ ہوا۔“

یہ حق کا پرچم جنت خدا کے علاوہ کسی اور کو زیب نہیں دیتا۔ اگر کوئی غیر اس پرچم کو اٹھا بھی لے تو یہ پرچم اس کی ناہلی اور اس کی ذلت کا مظہر بن جاتا ہے۔ اور پھر خدا کے رسول ﷺ کا یہ قول فیصل فضایں گو مجتنا ہے

”لَاَدْفَعْنَ الرَّأْيَةَ غَدَأً إِلَى رَجُلٍ يُحِبُّهُ اللَّهُ وَ
رَسُولُهُ وَ يُحِبُّ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ لَيْسَ بِمُجَبَّانٍ وَ
لَا فَرَّإِ يُفْتَحُهَا اللَّهُ عَلَى يَدِيَهُ“

(كتاب سليم، ج ۲، ص ۶۳)

”کل میں علم اس مرد کو دوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ مجبت کرتے ہیں اور وہ (بھی) اللہ اور اس

لپیٹ کر کھدیا اور اب وہ ہمارے پاس ہے۔ اب کوئی اسے نہیں لہرائے گا یہاں تک کہ (امام) قائم عالیٰ اسلام قیام فرمائیں۔ پس جب وہ قیام فرمائیں گے تو اسے نشہ کریں گے۔ پھر جب وہ اسے لہرائیں گے تو مشرق و مغرب میں کوئی ایسا باقی نہیں رہے گا مگر یہ کہ اس سے آملنے کا اس کاراعب ایک مہینت کی مسافت تک اس سے آگے، اس سے پچھے، اس کے دائیں جانب، اس کے بائیں جانب چلے گا.....”

(بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۶۰)

حضرت امام جعفر صادق عالیٰ اسلام فرماتے ہیں کہ ”.....جب وہ (امام زمانہ عالیٰ اسلام) کسی کے خلاف اس (پرچم) کو لے جائیں گے تو اللہ اس شخص کو ذلیل کرے گا اور جب اس (پرچم) کو لہرائیں گے تو (اس کی برکت سے) مونین کے قلوب فولاد کی طرح مضبوط ہو جائیں گے۔“

(کامل الزيارات، ص ۱۲۰، ح ۵)

محمد ابن مسلم کہتے ہیں کہ میں امام محمد باقر عالیٰ اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں ان سے قائم آل محمد عالیٰ اسلام کے بارے میں سوال کرنا چاہتا تھا۔ امام عالیٰ اسلام نے لفڑک شروع کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا: ”اے محمد بن مسلم! یقیناً قائم آل محمد عالیٰ اسلام میں پانچ رسولوں کی شہادت موجود ہے..... ہمارے بعد حضرت محمد مصطفیٰ علیٰ اسلام سے ان کی شہادت یہ ہے کہ وہ تلوار کے ساتھ خروج فرمائیں گے۔ اللہ اور رسول اللہ علیٰ اسلام کے دشمنوں کا قتل کریں گے۔ ظالم و جاہر اور سرکش لوگوں کو قتل کریں گے۔ اور تلوار و رعب کے ذریعہ ان کی

کے جسد مبارک کو میدان جنگ میں چھوڑ دیا اور پرچم کو خیمه گاہ تک لے آتے۔

اگر پرچم بے جان نہ ہوتا اور ہم میں سے کوئی پوچھتا اے پرچم تیری فضیلتیں کیا کیا ہیں اور پرچم اپنی شان کے مدارج اور مراتب کی وضاحت کرتا ہوا کہتا، میں وہ ہوں جواب اس کے بعد امام سجاد عالیٰ اسلام سے ہوتا ہوا امام عسکری عالیٰ اسلام تک تمام مصائب و آلام سے ٹھرا تا ہوا دین کی حفاظت کرتا ہوا تعلیمات رسالت کا اعلان کرتا ہوا سامنہ میں اس کے ہاتھ میں جانے کا شرف حاصل کروں گا جو مجھے ساری دنیا پر لہرائے گا۔ جس کی پیشگوئی محبوب خدا مرسل اعظم محمد مصطفیٰ علیٰ اسلام نے فرمائی۔ میرے بعد میرے بارہ خلیفہ ہوں گے اور آخری وہ ہوگا جو مہدی موعود ہو گا قائم عالیٰ اسلام ہو گا اور وہی اس تمام دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح یہ دنیا ظلم و جور سے بھری ہو گی۔ یہ ہمارے امام زمانہ عالیٰ اسلام میں جن کے ہاتھ میں یہ پرچم ہو گا۔

امام مہدی عالیٰ اسلام کے پرچم کی خصوصیت

حضرت امام صادق عالیٰ اسلام سے منقول ہے:

”.....وہ رسول اللہ علیٰ اسلام کا پرچم جسے جناب جبریل عالیٰ اسلام بدر میں لائےاللہ کی قسم یہ (پرچم) نہ کپاس کا ہے نہ کتان کا نر لیشم کا ہے نہ تریکا۔۔۔۔ یہ (پرچم) جنت کے پیوں کا ہے جسے رسول اللہ علیٰ اسلام نے بدر کے دن نشر کیا۔ پھر اسے لپیٹ کر حضرت علی عالیٰ اسلام کے پرد کیا۔ پس یہ (پرچم) ہمیشہ حضرت علی عالیٰ اسلام کے پاس تھا یہاں تک کہ جنگ جمل میں آپ عالیٰ اسلام نے اسے لہرا یا اور اللہ نے آپ عالیٰ اسلام کو فتحیاب فرمایا۔ پھر اسے

جس کی ابتداء عبد اللہ ابن زیر کے بیزید کے خلاف اعلان جنگ سے
ہوتی تھی۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا

نصرت و مدد کی جائے گی۔ اور ان کا پرچم کبھی مغلوب
نہیں ہو گا۔“

(کمال الدین، ج ۱، ص ۳۲، ح ۷)

ہے:

**كُلُّ رَأْيَةٍ تُرْفَعُ قَبْلَ قِيَامِ الْقَائِمِ
فَصَاحِبُهَا طَاغُوتٌ يُعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ عَزَّوَ
جَلَّ**

(الکافی، ج ۸، ص ۲۹۵، ح ۲۵۲)

”ہر پرچم جو (امام) قائم علیہ السلام کے قیام سے پہلے بلند
کیا جائے گا، اس کا اٹھانے والا طاغوت ہو گا۔ اللہ
عزوجل کے علاوہ اس (شخص) کی عبادت کی جائے
گی۔“

اور آخر میں اس پرچم کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کہ جو انتشار مہدی
علیہ السلام میں چودہ صدیوں سے قائم ہے اور منتظرین کی حرارت انتشار کو
قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ وہ سرخ پرچم ہے جو غریب زہراء علیہ السلام
کے گنبد پر بے قرار ہے۔ چنانچہ عرب کے دستور کے تحت جب کسی
مقتول کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی قبر پر ایک سرخ پرچم
نسب کر دیا جاتا تھا۔ سید مظلوم نے شب عاشورا پسے اصحاب باوف
سے حضرت امام مہدی علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا تھا۔ وہ امام مہدی علیہ السلام
میں جو خون امام حسین علیہ السلام کا انتقام لینے والے ہیں اور قبر حسینی کا یہ
پرچم پکار رہا ہے ”اعجل الحجل“۔

ہم خداوند عالم کی بارگاہ میں دست بدعا میں کہ یہ سرخ پرچم
حضرت ولی عصر علیہ السلام کے پرچم کے ساتھ ساتھ لہرائے۔ خدا
حضرت ولی علیہ السلام کے ظہور میں تعمیل فرمائے اور ہمیں حضرت علیہ السلام
کے اعوان و انصار میں شمار فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

پرچم امام مہدی علیہ السلام کی تحریر

روایت میں ملتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے پرچم پر تحریر
ہو گا کہ

الْبَيْعَةُ لِلَّهِ عَزَّوَ جَلَّ

”بیعت اللہ عزوجل کے لئے ہے“

(کمال الدین، ج ۲، ص ۶۵۳، ح ۲۲)

علامہ مجلیس علیہ السلام نے بخار الانوار میں کتاب فضل ابن شاذان
سے روایت نقل کی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی پرچم پر تحریر ہو گا

إِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا

”سنوا اور اطاعت کرو۔“

(بخار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۰۵، ح ۷۷)

پرچم امام مہدی علیہ السلام اور طاغوتی جہنم دے

فطرت انسانی کی برائی سے نفرت کے تحت ہر زمانے میں
اصلاحی تحریکیں رونما ہوئیں اور ظالم و جابر افراد کے خلاف صفت آرائی
کی گئی مگر اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جدت خدا کا دامن چھوڑ کر اصلاحی
تحریکیں چلانے والے اور ظلم و جبر کے خلاف نعرہ بلند کرنے والے
اقدار ملنے پر خود اسی روشن پر چل پڑے جس کے خلاف انہوں
نے تحریک چلانی تھی۔ چنانچہ بنی امیہ کے خلاف بنی عباس کی
تحریک کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ جب منصور و انہی حکومت
حاصل ہو جانے کے بعد دستروخان پر بیٹھا تو کہنے لا کہ اسی کی غاطر ہم
نے جنگ لڑی، بلکہ اس دستروخان پر بنی امیہ تھے اور آج ہم
میں۔ یہ خون حسین کے نام پر رونما ہونے والی تحریکوں کی انتہا تھی کہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

المنتظر مرا لاتی کورس

آپ کے گھر تک دین کی اہم معلومات پہنچا رہا ہے۔ یہ مرا لاتی کورس اردو، انگریزی اور ہندی زبان میں ہے اور عقائد، تاریخ، احکام، اخلاق اور امام زمانہ علیہ السلام کی معرفت جیسے اہم موضوعات پر مشتمل ہے۔
یہ سلسلہ ۱۸ اسابق کا ہے۔ کورس مکمل کرنے پر ایک اعزازی سند بھی پیش کی جائیگی۔
اس کے علاوہ، ماہ حرم الحرام اور ماہ شعبان معظم میں خصوصی شمارہ بھی ارسال کیا جائیگا۔ آئینے دینی تعلیم سے آرائش ہو کر اپنے امام کے ظہور کے لئے زمین ہموار کریں۔



اگر آپ اس کورس سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو اپنا نام اور مکمل پستہ پر
کوڈ کے ساتھ کسی ایک مندرجہ ذیل طریقہ سے بھیجیں۔

(۱) SMS 09987777757 سے

(۲) Email: course@almuntazar.com

website: www.almuntazar.com

(۳) اس پستہ پر ارسال کریں: ایسوی ایشن آف امام مہدی، پوسٹ بکس نمبر۔ ۵۰۲۲۱۹۸۲۲۔

FREE HOME DELIVERY
To order your set SMS
'6IN1DVD' to 9987777757

Almuntazar.tv ایک آن لائن پیٹل ہے جو ایسوی ایشن آف امام محمدی
جن پر آپ اسلامی پینیس ملاظہ کر سکتے ہیں ہے

- تقاریر
- اشعار
- قرائت
- سروود / استغاخانہ
- تمنیل / اسلامی فلمین
- بجوان کی فلمیں

منسک رہیں!

/AIM.almuntazar

/c/almuntazar

/AIM.almuntazar

@AIM_almuntazar